مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«پہلا سبق»

فقہ الحدیث کے مبانی (۱)

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

۱۔ فقہ الحدیث کا مفہوم:

لغت میں "فقہ" کسی چیز کو عمیق اور گہرائی کے ساتھ سمجھنے کو کہتے ہیں اور یہ عمل دقت اور باریک بینی کے ساتھ انجام پایا ہو۔۱

"حدیث" لغت میں کسی نئی اور تازی چیز کو کہتے ہیں۔۲ اسی وجہ سے کم سن شخص پر "حدیث السن" نوجوان پر "شاب الحدث" اور تازہ خرما پر "حدیث" کا اطلاق ہوتا ہے۔۳ کلام کو بھی اسی وجہ سے "حدیث" کہا جاتا ہے کہ صدور کے اعتبار سے اسکا ہر بند اپنے پہلے اور گذشتہ بند پر ایک خاص تازگی رکھتا ہے۔۴

علماء کی اصطلاح میں "حدیث" معصوم کے قول، فعل اور تقریر کی حکایت کو کہتے ہیں۔۵

البتہ اہل سنت صرف قول، فعل اور پیغبر اسلام (ص) کی تقریر کو حدیث کہتے ہیں اور کبھی اس میں صحابہ کرام اور تابعین کا اضافہ بھی کیا ہے۔۶ لیکن شیعوں کی طرف سے کی گئی تعریف میں پیغمبر کے بجائے لفظ معصوم سے استفادہ کیا گیا ہے، تاکہ اس تعریف میں آئمہ معصومین (ع) بھی شامل ہوجائیں۔

اس بنا پر "فقہ الحدیث"۔ جو فقہ کے لغوی اور حدیث کے اصطلاحی معنی سے مرکب ہے۔ کہ اصطلاحی معنی یہ ہیں

"فہم متن کے مبانی و ضوابط کی روشنی میں حدیث کے متن اور اسکی دلالت کی تفسیر و تشریح کو فقہ الحدیث کہتے ہیں" اس تعریف میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ حدیث کے متن اور اسکی دلالت کی تفسیر و تشریح، فہم متن کے مبانی و ضوابط کی روشنی میں ہونی چاہیے۔

۲۔ فقہ الحدیث کی ضرورت:

۱۔ التحقیق فی کلمات القرآن: مادہ "فقہ"

۲۔ کتاب العین: مادہ "حدث"

۳۔ مفردات راغب اصفہانی: مادہ "حدث"

۴۔ مجمع البحرین: مادہ "حدث"

۵۔ قوانین الاصول: ص ۴۰۹، مقباس الھدایہ: ج۱، ص ۵۷

۶ فتح الباری: ج۱، ص ۱۷۳، تدریب الراوی: ج۱، ص ۲۳

حدیث احکام اور علوم اسلامی کے لیے دوسرا منبع اور سرچشمہ شمار ہوتی ہے جس کی اہمیت سے تفسیر قرآن، فقہ، اخلاق، اور تاریخ میں انکار نہیں کیا جاسکتا، اور اسی نے انہیں اسلامی رنگ دیا ہے لیکن یہاں جو چیز اہم ہے وہ یہ ہے کہ جو کچھ حدیث کی اہمیت کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے وہ سب کا سب **"فقہ الحدیث"** سے مربوط ہے۔ کیونکہ حدیث کا نا سمجھنا دراصل حدیث سے استفادہ نا کرنے کے برابر ہے، جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق (ع) نے فقاہت کی بنیاد اس چیز کو قرار دیا ہے کہ انسان حدیث کے معنی کو سمجھ سکے۔ آپ فرماتے ہیں: انتم افقه الناس اذا عرفتم معانی کلامنا ۔۔۔"[7] تم اس وقت لوگوں میں سب سے زیادہ فہیم سمجھے جاوگے جب ہمارے کلام کے معانی سمجھ لوگے" ایک اور روایت میں آپ نے ایک حدیث کے سمجھنے کو ہزار حدیث کے نقل کرنے سے بہتر جانا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: حدیث تدریه خیر من الف حدیث ترویه ولا یکون الرجل منکم فقیها حتی یعرف معاریض کلامنا ، وان الکلمة من کلامنا لتنصرف علی سبعین وجها لنا من جمیعها المخرج"[8] "یک حدیث کو خوب اور بہتر انداز میں سمجھنا ایک ہزار حدیث کے نقل کرنے سے بہتر ہے کوئی شخص تم میں اس وقت تک فقیہ نہیں ہوسکتا جب تک کے ہمارے کلام کے محاسن کو اچھی طرح نا جان لے ہمارے کلام کی ستر صورتیں قابل تصور ہیں کہ ہمارے پاس ان سب کے لیے ایک راہ حل ہے۔"

یہ حدیث اور اس طرح کی بہت سی احادیث کہ جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں ہے سب کی سب فہم دین اور علوم دینی میں "فقہ الحدیث" کی اہمیت اور اسکی قدر منزلت کا بیّن ثبوت ہیں، معصومین (ع) کی روایات توحید، انسان، نبوت، معاد، فردی اور اجتماعی اخلاق اور آداب معاشرت کے بلند و بالا معارف پر مشتمل ہیں ان ہزاروں روایتوں سے ان تمام معارف کا حصول جو علمائے ربانی اور مکتب اہل بیت (ع) کے عظیم الشان شاگردوں کی طاقت فرسا محنت کا نتیجہ ہے صرف "فقہ الحدیث" سے آگاہی پر منحصر ہے۔

۷۔ معانی الاخبار: ص ۱

۸۔ مدرک سابق ص ۲

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب
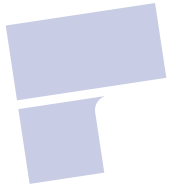
«دوسرا سبق»

فقہ الحدیث کے مبانی (۲)

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

فقہ الحدیث کے مبانی (۲)

جیسا کہ فقہ الحدیث کی تعریف میں گذر چکا ہے کہ حدیث کی تفسیر و تشریح اسکے مبانی اور ضوابط کی بنیاد پر ہونی چاہیے لہٰذا اس سبق میں ہم فقہ الحدیث کے بعض اہم مبانی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

۱۔ علم نحو و صرف کی طرف توجہ:

الفاظ اور اسکے مکمل معنی سے آگاہی کے بعد حدیث کے معنی اور اسکے جملوں کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے علم صرف و نحو کے قواعد ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

عربی زبان میں متعدد قسم کے جملے اور انکی ترکیب ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ ہر ترکیب کے معنی دوسری ترکیب کے معنی سے مختلف ہوں ، لہٰذا احادیث اور قرآنی آیات کے صحیح معنی سمجھنے کے لیے علم صرف و نحو اور دیگر ادبیات عرب کے قواعد سے آگاہی بہت ضروری ہے۔

چند مثالوں کے ذریعہ حدیث کے معنی سمجھنے میں اس علم کی قدر و منزلت اور اہمیت مزید روشن ہو جائے گی۔

پہلی مثال: حضرت امام جعفر صادق (ع) فرماتے ہیں:

ثلاث من علامات المومن: علمه بالله ، و من یحبّ ومن یبغض"[1]

تین چیزیں مومن کی علامات میں سے ہیں: خدا کے بارے میں اس کی شناخت، اور جس سے وہ محبت کرتا ہے، اور جس سے وہ نفرت کرتا ہے"

"یحبّ اور یبغض" کے فاعل کے سلسلہ میں دو احتمال پائے جاتے ہیں:

الف: من یحبه اللّٰہ ّ ومن یبغضه اللّٰہ' اس صورت میں حدیث کے معنی یوں ہونگے: تین چیزیں مومن کی علامات میں سے ہیں: خدا کے بارے میں اس کی شناخت، اور اسکی شناخت جس سے خدا محبت کرتا ہے، اور جس سے خدا نفرت کرتا ہے"

۱۔ اصول کافی: ج۲ و ۱۲۶

ب: "علم المومن بمن یحبه وعلمه بمن یبغضه "اس صورت میں حدیث کے معنی یوں ہونگے : تین چیزیں مومن کی علامات میں سے ہیں: خداکے بارے میں اس کی شناخت ،اور اپنے دوستوں اور دوشمنوں کے بارے میں اسکی شناخت "

دوسری مثال: حضرت امام موسی کاظم (ع) فرماتے ہیں:

"کفی بک جھلا ان ترکب ما نھیت عنه" 2

اس حدیث میں ممکن ہے کہ " نھیت" معلوم یا مجہول ہو۔

اگر معلوم ہو تو اسکے معنی یہ ہونگے " تیرے جاہل ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ جس چیز سے تو روکے اسے خود انجام دے" اور اگر مجہول ہو تو اسکے معی یوں ہونگے : " تیرے جاہل ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ جس چیز سے تجھے روکا گیا ہے تو اسے انجام دے"

البتہ ممکن ہے کہ ان میں سے ہر ایک معنی کی آیات یا احادیث کے ذریعہ تائید ہوتی ہو۔

تیسری مثال: " ان الله خلق آدم علی صورته"

"صورته" کے مرجع ضمیر میں دو احتمال پائے جاتے ہیں:

الف: ضمیر کا مرجع "اللہ " ہے،تو اس صورت میں وہ افراد جو تجسیم اور تشبیہ خداکے قائل ہیں وہ اس سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے خداکے لیے چہرہ،اور ہاتھ ، پاؤں کے قائل ہو جائینگے،البتہ اسکی صحیح تفسیر بھی پیش کی جا سکتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ضمیر کا اللہ کی طرف پلٹنا اضافہ تشریفیہ ہے ناحقیقیہ جیسا کہ یہ آیت "نفخت فیه من روحی" ۳ روح کا خدا کی طرف اضافہ اور نسبت اسی مورد میں سے ہے۔ ۴

۱۲اصول کافی ج ۱ و ۱۶

۳۔ سورہ حجر (۴۹) آیہ ۲۹

۴۔ رجوع فرمائیں : التوحید ص ۱۰۳

ب: ضمیر کا مرجع "آدم" ہے، نااللہ جیساکہ سید مرتضی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ممکن ہے ضمیر کا مرجع "آدم" ہو۔ تو اس صورت میں حدیث کے معنی یوں ہونگے کہ خداوند متعال نے انسان کو اس صورت میں پیدا کیا ہے جس صورت میں اسکی روح قبض ہوگی یعنی انسان کی صورت آغاز زندگی سے اختتام زندگی تک یکساں ہے۔ ۵

۲۔ قرائن کی طرف توجہ:

ممکن ہے کہ جو بات متکلم کے کلام پر ابتداء نظر سے سمجھ میں آئے وہ متکلم کے مقصود کلام سے مطابقت نہ رکھتی ہو لہٰذا ممکن ہے کہ قرائن کے ذریعہ ہماری دسترسی کچھ ایسے معانی تک ہو جائے کہ جن تک ہماری دسترسی اس سے پہلے نہیں ہوئی تھی۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ہر کلام کے دو معانی و مراد ہو سکتے ہیں۔ "مراد استعمالی" اور "مراد جدی"

"مراد استعمالی" سے مراد کلام کا ابتدائی مفہوم ہے۔ اور "مراد جدی" سے مراد وہ معانی ہیں جو قرائن کے حصول کے بعد حاصل ہوتے ہیں۔ قرینہ کی مختلف قسمیں ہیں۔ قرینہ کبھی کلام کے ساتھ موجود ہوتا ہے کہ اسے قرینہ متصل کہتے ہیں اور کبھی کلام سے جدا ہوتا ہے کہ اسے قرینہ منفصل کہتے ہیں اگر قرینہ کلامی ہو تو اسے قرینہ لفظی اور اگر غیر کلامی ہو تو اسے قرینہ مقامی کہتے ہیں، اگر قرینہ کلامی الفاظ مشترک (جیسے لفظ "شیر") کے معنی معین کرنے میں مددگار اور موثر ہو تو اسے قرینہ "معیّنہ" کہتے ہیں اور اگر کلمہ یا جملہ کے معنی کے فہم میں تبدیلی کا باعث ہو تو اسے قرینہ "صارفہ" کہتے ہیں جیسے "میدان جنگ" کہ یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ "شیر" سے مراد مرد شجاع ہے نا کہ جنگل کا شیر۔

مزید مطالعہ کے لیے (ا)

فقہ الحدیث کا تاریخی پس منظر:

مکتب تشیع میں فقہ الحدیث کا آغاز حدیث کے آغاز کے ساتھ ساتھ ہوا، بہت سے تاریخی شواہد اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ شیعہ راوی آئمّہ معصومین (ع) کے زمانے میں آپ حضرات (ع) کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کسی بھی حدیث کے متن، اور اس کی اسناد کی صحت و سقم کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے، اور آئمّہ معصومین (ع) بھی انکے لیے احادیث کی تفسیر و تشریح کرتے اور اسکے حقیقی معانی کو بیان کرتے تھے اور بعض موارد پر انکے نقد کے ساتھ انھیں رد کر دیتے تھے، ۶ نقد احادیث کی یہ

---

۵ رجوع فرمائیں: شرح اصول کافی، مازندرانی ج ۳ ص ۱۹۶-۱۹۸

۶۔ رجوع فرمائیں: مجلّہ علوم حدیث ش ۹، ۶ مقالہ: "عرضہ احادیث بر امامان (ع)": عبدالھادی مسعودی

سنت حسنہ آئمّہ معصومین (ع) سے انکے اصحاب (جیسے ،زرارہ، محمد بن مسلم اور یونس بن عبد الرحمٰن) میں منتقل ہو گئی تھی لہٰذا متعارض احادیث اور انکے تعارض کے حل کے سلسلے میں انھوں نے کتابیں بھی لکھیں ۷

آئمہ معصومین (ع) کے حضور کے زمانے کے بعد یعنی عصر غیبت میں بھی احادیث کی کتابوں کے مولفین اور شیعہ دانشوروں نے حدیث کے معانی سمجھنے ،اسکی صحیح تفسیر پیش کرنے اور متعارض احادیث کے حل کے لیے "فقہ الحدیث" کی طرف رجوع کیا اور اسے بہت اہمیت دی۔

ابو جعفر محمد احمد بن محمد بن خالد برقی (م ۲۷۴ یا ۲۸۰ھ ق) نے اس سلسلے میں تین کتابیں تحریر فرمائیں :

"علل الحدیث"، "معانی الحدیث" و "الحدیث و تفسیر الحدیث"

ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی (م ۳۲۹ھ ق) نے اپنی کتاب کافی کے مقدمہ میں نقد احادیث ،احادیث کے تعارض کے حل ،اور صحیح اور غیر صحیح احادیث کو پہچانے کے بہت سے اصول اور معیارات کو بیان کیا ہے اور پہلی جلد کو "اختلاف الحدیث"، "الرد الی الکتاب والسنہ" اور "الاخذ بالسنہ و شواھد الکتاب" جیسے ابواب سے زینت بخشی ہے۔اسکے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے کام کیے ہیں جو اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ آپ "فقہ الحدیث" کو خاص اہمیت دیتے تھے۔

ابو جعفر محمد بن علی بن حسین ابن بابویہ معروف بہ شیخ صدوق (م ۳۸۱ھ ق) آپ نے کتاب "معانی الاخبار" لکھ کر مستقل طور پر "فقہ الحدیث" کے سلسلے میں پہلا قدم اٹھایا۔پھر آپ کے بعد بھی بہت سے علماء نے اس سلسلے میں خاص احادیث کی شرحیں، چھل حدیث کی شرح، خاص موضوعات پر بیان کی جانے والی احادیث کی شرح کے علاوہ تفسیر جوامع روائی جیسی تحریریں یادگار کے طور پر چھوڑیں کہ جن میں سے چند اہم کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

۱۔ شرح نہج البلاغہ : تالیف: ابن میثم بحرانی (م ۶۷۹ق)

۲۔ مصابیح القلوب (۵۳ احادیث کی شرح فارسی زبان میں) تالیف: ابو سعید حسن بن حسین سبزواری

۳۔ بعض اعتقاد سے متعلق احادیث کی شرح تالیف: علی بن محمد بیاضی (صاحب کتاب "الصراط المستقیم")

۴۔ منتقی الجمان فی الاحادیث الصحاح والحسان ،تالیف: جمال الدین حسن (صاحب معالم)

۵۔ شرح اربعین حدیث، شرح صحیفہ سجادیہ ،اور مشرق الشّمس ،تالیف: شیخ بھاء الدین عاملی (م ۱۰۳۰ھ ق)

۷۔رجوع فرمائیں: روش فہم حدیث ص ۲۶۔۲۷

۶۔ شرح اصول کافی، تالیف: محمد بن علی بن محمد بن بلاغی (م۱۰۰۰ق)

۷۔ شرح اصول کافی، تالیف: محمد صدرالدین شیرازی معروف بہ ملّا صدرا (م۱۰۵۰ھ ق)

۸۔ "الصافی"، "الشافی" (فارسی اور عربی میں شرح اصول کافی) تالیف: ملّا خلیل قزوینی (م۱۰۸۹ھ ق)

۹۔ شرح الکافی، تالیف: ملّا صالح مازندرانی (م۱۰۸ھ ق)

۱۰۔ احیاء الاحیاء (تھذیب احکام پر مختصر شرح) تالیف: علامہ محمد تقی مجلسی م۱۰۷۰ھ ق)

۱۱۔ روضۃ المتقین (من لایحضرہ الفقیہ کی شرح) تالیف: علامہ محمد تقی مجلسی م۱۰۷۰ھ ق)

۱۲۔ لوامع قدسیہ یالوامع صاحب قرانی، (من لایحضرہ الفقیہ کی فارسی شرح) تالیف: علامہ محمد تقی مجلسی م۱۰۷۰ھ ق)

۱۳۔ الوافی (کتب اربعہ کی احادیث کی شرح یا تکراری احادیث کو حذف کیا گیا ہے) تالیف: ملّا محسن کاشانی (۱۰۹۱ھ ق)

۱۴۔ کتاب بحار انوار (میں علامہ مجلسی نے احادیث میں روبرو ہونے والی بعض مشکلات کے حل کے ساتھ ساتھ بعض اصطلاحات جیسے "اقول" "شرح" "بیان" "ایضاح" اور تنویر، غیرہ کی وضاحت کی ہے۔)

۱۵۔ مراۃ العقول فی شرح اخبار آل الرسول، تالیف: علامہ محمد باقر مجلسی م۱۱۱۱ھ ق)

۱۶۔ ملاذ الاخبار ((تھذیب احکام کی شرح) تالیف: علامہ محمد باقر مجلسی م۱۱۱۱ھ ق)

۱۷۔ البحر الزخار فی شرح احادیث الائمۃ الاطہار، تالیف: سید محسن امین عاملی، (صاحب اعیان الشیعہ) (م۱۳۷۱ھ ق)

۱۸۔ الغدیر، از علامہ امینی (م۱۳۹۱ھ ق)

۱۹۔ شرح چھل حدیث، شرح حدیث جنود عقل و جہل اور شرح دعاے سحر: تالیف: آیت اللہ خمینی (م۱۴۱۱ھ ق)

۲۰۔ الحدیث النبوی بین الروایہ ولدرایہ: تالیف: آیت اللہ جعفر سبحانی

۲۱۔ شرح نہج البلاغہ: تالیف: آیت اللہ محمد تقی جعفری

۲۲۔ پیام امام (شرح نہج البلاغہ) تالیف: آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی

مندرجہ بالا آثار کے علاوہ بہت سی کتب شرح احادیث، حاشیہ بر احادیث، تصیح بر شروح احادیث اور جوامع روائی کے عنوان سے لکھی جاچکی ہیں کہ اختصار کے پیش نظر جن کے ذکر سے صرف نظر کرتے ہیں۔۸

۸۔ رجوع فرمائیں: روش فہم حدیث: ص ۲۳۔ ۵۳

سوالات:

۱۔ "فقہ" اور "حدیث" کی لغت میں تعریف بیان کیجیے۔

۲۔ حدیث کی اصطلاحی تعریف میں شیعہ اور اہل سنت کے درمیان پائے جانے والے فرق کی وضاحت کیجیے۔

۳۔ فقہ الحدیث کی اصطلاحی تعریف بیان کیجیے۔

۴۔ فقہ الحدیث کی ضرورت کو کسی ایک حدیث کی روشنی میں بیان کیجیے۔

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد و اسالیب
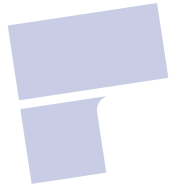
«تیسرا سبق»

مبانی فقہ الحدیث (۳)

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

۳۔ لغت شناسی :

٫ ہر متن کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے اسکے الفاظ کے معانی کو سمجھنا ضروری ہے، مشہور ماہر لغت جناب "راغب اصفہانی" نے کسی بھی عبارت میں استعمال ہونے والے الفاظ اور کلمات کو عمارت میں استعمال ہونے والی اینٹوں سے تشبیہ دی ہے، وہ کہتے ہیں " قرآن کے الفاظ کے معانی کا جاننا وہ سب سے پہلا مددگار ہے جسکی وجہ سے خود قرآن کے معانی سمجھ میں آجاتے ہیں۔ جیسے کسی بھی عمارت کو بنانے کے لیے سب سے پہلے اینٹوں کی ضرورت ہوتی ہے اور الفاظ کے معنی کا سمجھنا صرف قرآن ہی کے سلسلہ میں فائدہ مند نہیں بلکہ تمام شرعی علوم میں مفید ہے۔"[۱]

علم حدیث میں بھی حدیث کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلا قدم اسکے الفاظ کے معانی کا جاننا ہے کہ جو چند عوامل سے وابستہ ہے۔

الف: ۔ علم لغت کے منابع سے آگاہی:

مناسب لغت نامہ، حدیث سمجھنے کے لیے ایک اہم وسیلہ ہے، اگر اس سے بے اعتنائی کی جائے اور اپنے حافظہ پر اعتماد کرتے ہوئے ایسے معنی پر اکتفاء کیا جائے جو ظاہراً متن کو مکمل تو کردے مگر لفظ کے صحیح اور حقیقی معنی نہ ہو تو یہ چیز ہدف اور فہم حدیث سے دوری کا سبب بنتی ہے، لہذا اس اہم نکتہ پر عمل کرنے کے لیے تو امور کی طرف توجہ ضروری ہے۔

۱۔ **قدیمی کتب لغت سے استفادہ**: کیونکہ جسقدر کتاب لغت صدر اسلام سے قریب ہوگی اتنی ہی احادیث کے صدور، نزول قرآن ،اور لغت کے استعمال کے زمانے عرف سے قریب ہوگی،اور بہتر انداز میں حقیقت کی عکاسی کرسکتی ہے اور لفظ کے حقیقی معنی کو بیان کرسکتی ہے۔

۲۔ **ایسے منابع کی طرف توجہ کی جائے جو خاص قرآن اور حدیث کے بارے میں تحریر کیے گئے ہیں**: کیونکہ یہ کتب تمام شواہد و قرائن اور قرآن و حدیث میں لغت کی اہمیت کو ملحوظ خاطر رکھ کر لفظ کے معنی کو بیان کرتی ہیں اور بہتر انداز میں حقیقت کو روشن کرتی ہیں۔

بعض اہم منابع جو مذکورہ نکات کے حامل ہیں اور آسانی سے ان تک طلاب کرام کی دسترسی ہوسکتی ہے درج ذیل ہیں:

۱۔ مفردات راغب اصفہانی: ص ۵۴

۱۔کتاب العین: تالیف: خلیل ابن احمد فراہیدی (م ۱۷۵ھ ق)

۲۔ جمھرۃ اللغۃ: تالیف: ابو بکر محمد بن حسن بن ارید ازدی (م ۳۲۱ھ ق)

۳۔ تھذیب اللغۃ، تالیف: ابو منصور محمد بن احمد بن ازھر ھروی معروف بازھری (م ۳۷۰ھ ق)

۴۔المحیط فی اللغۃ، تالیف: صاحب اسماعیل بن عباد (۳۸۵ھ ق)

۵۔الصحاح، تالیف: اسماعیل بن حماد جوھری (م ۳۹۲ھ ق)

۶۔ معجم مفردات الفاظ القرآن، تالیف: ابو القاسم حسین بن محمد بن مفضل معروف بہ راغب اصفہانی (م ۴۲۵ھ ق)

۷۔ مقاییس اللغۃ، تالیف: ابو الحسن بن فارس بن زکریا (م ۳۹۵ھ ق)

۸۔ اساس البلاغہ والفائق، تالیف: ابو القاسم محمود بن عمر خوارزمی معتزلی معروف بہ جار اللہ زمخشری (م ۵۳۸ھ ق)

۹۔ لسان العرب، تالیف: ابوالفضل محمد بن مکرم، معروف بہ ابن منظور (م ۷۱۱ھ ق)

۱۰۔المصباح المنیر، تالیف: احمد بن محمد بن علی فیومی (۷۷۰ھ ق)

۱۱۔ قاموس المحیط، تالیف: مجد الدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی (۸۱۷ھ ق۹

۱۲۔ مجمع البحرین و مطلع النیّرین، تالیف: فخر الدین طریحی (۱۰۸۵ھ ق)

۱۳۔تاج العروس، تالیف: سید محمد مرتضی حسینی زبیدی حنفی (م ۱۱۸۳ھ ق)

۱۴۔التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، تالیف: حسن مصطفوی (م ۱۴۲۶ھ ق)

اس بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ لغت اور الفاظ شناسی کے بارے میں بہت زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں جو حدیث اور قرآن کے معانی سمجھنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہیں مگر اختصار کے پیش نظر ان کے ذکر سے صرف نظر کر رہے ہیں۔

ب: لفظ کے مادہ اور حروف اصلی کی طرف توجہ:

لغت کی کتابیں لفظ کے اصلی حروف اور مادہ کی بنیاد پر ترتیب دی گئی ہیں، لہٰذا لفظ کے مادہ اور حروف اصلی سے آگاہی کتب لغت سے صحیح استفادہ کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے اور لفظ کے معنی تک پہنچنے میں ہماری رہنمائی کر سکتی ہے جبکہ لفظ کے مادہ اور حروف اصلی سے عدم آگاہی لفظ کے معنی اور متکلم کی مراد سے دوری کا باعث بن سکتی ہے

پہلی مثال: پیغمبر اسلام (ع) سے روایت ہے آپ نے فرمایا:

و"ولا ایمان لمن لا یامن جارہ بوائقہ"۲

اس حدیث میں لفظ "بوائـــق" آیا ہے اوراسکے حرف "با" پر زبر ہے لہٰذایہ "با" بائے جارہ نہیں ہو سکتی اور یہ کلمہ کااصلی حرف ہے اس طرح یہ مرکب ہوا "بوائق" اور "ہ" ضمیر سے، بوائق جمع مکسر ہے جس کا مفرد "بائقہ" ہےاوراس کامادہ "بوق" یا "بیق" ہے کہ کتب لغت میں اس کا مصدر صرف "بوق" آیا ہے جس کے معنی ظلم و شر کے ہیں،اس معنی کی دوسری روایت کے ذریعہ بھی تائید ہو سکتی ہے۔ابو حمزہ کہتے ہیں میں نے حضرت امام جعفر صادق (ع) کو فرماتے سنا ہے: "**المـومن مـن آمـن جارہ بوائقہ" ، قلت: : وما بوائقہ؟ قال: "ظلمہ و غشمہ"**3

دوسری مثال: وہ روایت ہے جسے شیخ طوسیؒ نے مبطلات وضو کے سلسلہ میں حضرت امام جعفر صادق (ع) سے نقل کیا ہے ،آپ (ع) فرماتے ہیں: "رایت ابی صلوات اللہ علیہ وقد رعف بعد ماتوضّادماسائلا فتوضّا"

اس روایت پر نظر کرنے سے ابتداء میں ذہن میں جو چیز آتی ہے وہ یہ ہے کہ ناک میں سے خون کاآنا مبطلات وضو میں سے ایک ہے جبکہ یہ چیز دوسری روایات اور شیعہ فقہاء کے فتاوای کے مکمل خلاف ہے اسی لیے شیخ طوسیؒ نے "توضّا" کے اصلی حروف اور اسکے مادہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس کامادہ "توضّا" نہیں جس کے معنی وضو کے ہیں بلکہ اس کامادہ "الوضاءۃ" ہے جس کے معنی صاف ستھرائی کے ہیں۔ اسی لیے جو شخص اپنے ہاتھ اچھی طرح دھوئے اس کے لیے کہتے ہیں "وضّاھا" ۴

ج) لفظ کے حقیقی معنی کی طرف توجہ:

بعض الفاظ اشتراک معنوی کی وجہ سے مشترک مفہوم کے حامل ہیں،ان میں سے بعض عالم ملکوت اور ماوراء مادہ کی حکایت بھی کرتے ہیں اور مادی مصادیق پر بھی منطبق ہوتے ہیں، مثلاان آیات وروایات میں جو عالم قبر اور عالم قیامت کے بارے میں ہیں ،سراج (چراغ) میزان (ترازو) اور ظل (سائبان) وغیرہ جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں،اسی طرح ان آیات وروایات میں جو خدا شناسی اور عالم ملکوت کے بارے میں ہیں،نور، سمیع، بصیر، غضب، رضا، عرش، جناح (فرشتوں کے پر) وغیرہ جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔اس قسم کے الفاظ کے بارے میں تین نظریے موجود ہیں۔

۲۔اصول کافی: ج۲ص ۶۶۶

۳۔مدرک سابق ص ۶۶۲

۴ تھذیب الاحکام ج۱ص ۱۴

الف: **مکتب تعطیل**: اس کا نظریہ یہ ہے کہ اس قسم کے لاہوتی الفاظ کی تفسیر و تشریح کا ہمیں حق حاصل نہیں ہے۔اور اس قسم کے الفاظ کے سلسلے میں ہماری ذمہ داری صرف اور صرف یہ ہے کہ ان پر ایمان رکھیں اور انکی تفسیر و تشریح کا کام خدا پر چھوڑ دیں۔

ب: **مکتب تشبیہ**: یہ مکتب اس قسم کے تمام الفاظ کو انکے مادی معنی پر حمل کرتا ہے۔

ج: **مکتب اعتدال**: یہ لوگ مکتب تعطیل کو رد کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو مکتب تشبیہ کی دلدل میں غرق ہونے سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں،ان کے مطابق "نور" جیسے الفاظ ذو مراتب الفاظ ہیں جس میں شمع کے نور سے لیکر خدا تک کا نور شامل ہے، کیونکہ نور کے ایک حقیقی معنی ہیں جو مختلف مصادیق پر صادق آسکتا ہے اور وہ معنی یہ ہیں" **ظاھر لنفسہ، مظھر لغیرہ**"خود بذاتہ ظاہر اور اوشن ہے اور دوسروں کو بھی ظاہر اور روشن کرتا ہے۔

یہ تعریف شمع کے نور پر بھی منطبق ہو سکتی ہے اور سورج کے نور پر بھی،اور اسی طرح خدا کے نور پر بھی کیونکہ ہر گز یہ تعریف صرف مفہوم مادی پر دلالت نہیں کرتی ہے۔

"میزان" کا مفہوم بھی اسی طرح ہے، یعنی "**ما یوزون بہ**" جس سے کئی چیز تولی جائے اور وہ چیز کسی دوسری شیز کے لیے معیار قرار پائے، کہ یہ تعریف دنیا میں ترازو پر منطبق ہے اور آخرت میں انسان کامل پر کہ جو انسانوں کے نیک اور برے اعمال کا معیار ہے جس کے ذریعہ انسانوں کے اعمال پرکھے جائینگے۔لہٰذا یہ جو جناب امیر المؤمنین (ع) کی زیارت میں آیا ہے" **السلام علیک یا میزان الاعمال** "۵ لفظ میزان اسی معنی میں ہے۔۶

د: عصر صدور میں لفظ کے معنی پر توجہ:

بعض الفاظ کے معنی وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں فرہنگی و اجتماعی حالات ان الفاظ کی تبدیلی میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں لیکن الفاظ کے تفسیر و تشریح کرتے وقت عصر صدور حدیث یا عصر نزول آیات کے معانی کی طرف توجہ رکھنی چاہیے۔ مثلا لفظ "مکروہ" کہ جو عصر حاضر میں ان کاموں کے بارے میں استعمال ہوتا ہے جن کا ترک کرنا بہتر ہے" اور یہ لفظ اس معنی میں حضرت امام جعفر صادق (ع) کے زمانے کے بعد استعمال ہوا ہے جبکہ عصر نزول آیات میں "ناشائستہ فعل" کے معنی میں تھا جس میں گناہ کبیرہ جیسے قتل وزنا وغیرہ سب شامل تھے، جیسا کہ سورہ اسراء کی ۳۸ آیت میں بہت سے گناہان

۵۔المزار ص ۱۸۵

۶۔رجوع فرمائیں: آشنائی باعلوم حدیث ص ۲۴۰۔۲۴۲

کبیرہ کے ذکر کے بعد ارشاد ہوتا ہے: (کل ذلک کان سیئہ عند ربک مکروہا) یہ بات واضح ہے کہ اس آیت میں گناہان کبیرہ کے ذکر کے بعد کہ جن کی طرف "ذالک" سے اشارہ کیا گیا ہے لفظ "مکروہ" ان کاموں کے معنی میں نہیں ہو سکتا جن کا ترک کرنا جائز ہے۔

اسی طرح ہے لفظ "تفقّہ" جو روایات میں متعدد بار استعمال ہوا ہے لیکن وہ اس معنی میں نہیں جس معنی میں اسے عصر حاضر میں استعمال کیا جاتا ہے، بلکہ اس سے بالکل مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے، پیغمبر اسلام (ص) کی چالیس حدیث کے حفظ اور نشر کرنے کے حوالے سے جو بہت ہی مشہور روایت ہے اس میں آیا ہے: "**من حفظ من امتی اربعین حدیثا ینتفعون بہا بعثہ اللہ یوم القیامۃ فقیہا عالما**" ۷ جو چیز مسلم ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ نہیں کہ جو بھی چالیس حدیثیں حفظ اور نشر کرے وہ قیامت کے دن مجتہد۔ جس معنی میں وہ عصر حاضر میں استعمال ہوتا ہے۔ محشور ہوگا، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کے عنوان سے محشور ہوگا جو دین (عقائد، اخلاق، اور احکام) میں بصیرت اور آگاہی رکھتا ہے۔ نہ یہ کہ وہ اس معنی میں مجتہد ہوگا کہ جو منابع شرعی سے احکام شرعی کو استنباط کر سکتا ہے۔ اس بنیاد پر مرحوم شیخ بھاء الدین عاملی اس روایت کے ذیل میں فرماتے ہیں: "پیغمبر اسلام (ص) کی اس روایت میں فقہ سے مراد احکام شرعیہ کو ادلّہ تفصیلی کے ساتھ جاننا نہیں کیونکہ فقہ کے یہ معنی نئے اور جدید ہیں بلکہ اس سے مراد دین میں بصیرت ہے اور اکثر احادیث میں "فقہ" اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ۸

ھ: روایت کی خاص اصطلاحات پر توجہ:

بعض الفاظ لغوی معنی سے ہٹ کر روایت میں اپنا ایک خاص مفہوم رکھتے ہیں اور ممکن ہے کہ کثرت استعمال کی وجہ سے اس لفظ کے دوسرے معنی نے حقیقت شرعیہ کی حیثیت اختیار کر لی ہو اور یہ معنی کتب لغت کی طرف رجوع کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتے روایات میں اس لفظ کے استعمال سے ان معنی تک پہنچا جا سکتا ہے، مثلا قرآن کی نظر میں ایمان اسلام سے ایک بلند مرتبہ

۷۔ بحار الانوار ج ۲، ص ۱۵۳

۸۔ اربعین شیخ بھائی: ص ۱۰

ہے جو یقین قلب سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں موجود ہے: (قالت الاعراب آمنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم)[9]

(عرب صحرا نشینوں کا کہنا ہے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں (اے پیغمبر (ص) ان سے کہ دیجئے کہ تم لوگ ایمان نہیں لائے بلکہ تم کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے)

منافق اسے کہتے ہیں جو اپنے کفر کو پوشیدہ کرکے ایمان کا اظہار کرتا ہے، لیکن روایات کی اصطلاح میں ایمان سے مراد آئمہؑ (ع) کی ولایت پر اعتقاد رکھنا اور نفاق انکی ولایت کا انکار کرنا ہے جیسا کہ جناب ابوذر، ابوسعید خدری، جابر اور زید بن ارقم سے منقول ہے: "کنّا نعرف المنافقین علی عهد رسول الله (ص) ببغضهم علیا" [10] "ہم رسول خدا (ص) کے زمانے میں منافق کو حضرت علی (ع) سے بغض کی وجہ سے پہچان لیا کرتے تھے"
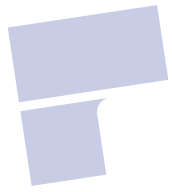
۹۔ سورہ حجرات (۴۹) آیت ۱۴

۱۰۔ کنز العمال ج ۱۳، ص ۱۰۶، تفسیر قرطبیؒ: ج ۱، ص ۲۶۱، الدر المنثور: ج ۶، ص ۶۶، تاریخ مدینہ دمشق: ج ۴۲ مص ۲۸۴۔۲۸۷

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«چوتھا سبق»

فقہ الحدیث کے مبانی (۴)

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

۴۔اسباب صدور احادیث کی طرف توجہ:

اگرچہ اسباب صدور احادیث خود قرائن مقامی میں سے ایک ہے جو فہم حدیث میں نہایت مؤثر ہے لیکن اسکی اہمیت کی وجہ سے اسکے بارے میں مستقل بحث کر رہے ہیں۔

جس طرح سے آیات قرآن کے شان نزول سے آگاہی ہمیں آیت کے معانی و مقصود کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے اسی طرح سبب صدور حدیث سے آگاہی ہمیں حدیث کے کہنے والے کی مراد کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

سبب صدور حدیث سے مراد وہ سبب ہے جس کی وجہ سے معصوم (ع) نے حدیث ارشاد فرمائی اور فلان حکم کو بیان، یا فلان مسئلہ کو پیش کیا یا اسے رد فرمایا یا پھر کسی کام کو انجام دیا۔[۱]

حدیث کو بہتر انداز میں سمجھنے اور اسکی مراد سے مکمل آگاہی کے لیے حدیث سے متعلق منابع کی اچھی طرح چھان بین ضروری ہے جس سے حدیث کے سبب صدور اور زمان و مکان اور موجودہ حالات کا جائزہ لیا جائے،ان منابع کا تعلق حدیث کے متن اور موضوع سے ہوتا ہے ممکن ہے اسکا منبع کوئی دوسری حدیث ہو، یا تاریخی و تفسیری، یا کوئی دوسرا منبع ہو مثلا حضرت امام حسین (ع) کے مدینہ سے لیکر کربلا تک کے پر شور خطبات کو سمجھنے کے لیے امام (ع) کے زمانے کے سیاسی اور اجتماعی حالات سے آگاہی ضروری ہے ،اسی طرح حضرت امام علی (ع) کا مختلف مقامات پر اپنی تعریف خود کرنے کے فلسفہ اور حکمت سے آگاہی کے لیے۔ جبکہ اپنی تعریف خود کرنے کو تزکیہ نفس کے خلاف جانتے ہوئے اسکی ممانعت کی گئی ہے۔معاویہ کی طرف سے حضرت علی (ع) کے خلاف کی جانے والی سازیشوں،غلط پروپیگنڈوں اور ان خطوط سے آگاہی ضروری ہے جو معاویہ نے آپ (ع) کے خلاف عراق، مصر اور دوسرے مقامات کی طرف ارسال کیے۔[۲]

اسباب صدور حدیث کی اہمیت کو بیان کرنے کے لیے ہم یہاں علی بن مغیرہ سے نقل شدہ روایت کے سبب صدور کو بیان کر رہے ہیں:

۱۔رجوع فرمائیں: روش فہم حدیث: ص ۱۲۸

۲رجوع فرمائیں: دانش نامہ امیر المومنین (ع) ج۶، ص ۵۱

علی بن مغیرہ کہتے ہیں: " قلت لابی عبداللہ (ع) جعلت فداک ! المیتہ ینتفع بشیء منہا ؟ قال: لا ، قلت : بلغنا ان رسول اللہ مرّ بشاۃ ۔ فقال : ما کان علی اھل الشاۃ اذلم ینتفعوا بلحمھا ان ینتفعوا باھابھا؟قال: تلک شاۃ سورہبنت زمعۃزوج النبی (ص) وکانت شاۃ مھزولۃ لا ینتفع بلحمھا فترکوھا حتی ماتت ، فقال رسول اللہ (ص) ماکان علی اھلھا اذلم

ینتفعوا بلحمھا ان ینتفعوا باھابھا ان تزکّی ؟ ! [3]

"میں نے حضرت امام جعفر صادق (ع) کی خدمت میں عرض کی : میں آپ پر فدا ہو جاؤں کیا مردار کی کسی چیز سے استفادہ کیا جاسکتا ہے (یا یہ کہ اس کے تمام اعضاء نجس ہیں اور اسکی کوئی بھی چیز قابل استفادہ نہیں ہے) ؟آپ (ع) نے فرمایا: ہرگز ایسا نہیں ہے۔ میں عرض کی پیغمبر اسلام (ص) کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آپ ایک مردہ گوسفند کے پاس سے گذرے توآپ نے اسے دیکھ کر فرمایا: اگراس گوسفند کے مالک اس کے گوشت سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے تو کم از کم اس کی کھال ہی سے استفادہ کر لیتے ، کس چیز نے انہیں اس کام سے روکا؟

حضرت امام جعفر صادق (ع) نے فرمایا: وہ گوسفند سودہ بنت زمعہ پیغمبر اسلام (ص) کی اہلیہ کی تھی جسکی کمزوری کی وجہ سے اس کے گوشت سے استفادہ نہیں کیا جاسکتا تھا لہٰذا اسے اسی طرح چھوڑ دیا گیا تاکہ مر جائے توآنحضرت نے اسے دیکھ کر فرمایا: اگراس گوسفند کے مالک اس کے گوشت سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے تو کم از کم اسے ذبح کرتے تاکہ وہ پاک ہو جاتا اور پھر اس کی کھال ہی سے استفادہ کر لیتے۔؟"

جیسا کہ صدر حدیث سے یہ بات واضح ہے کہ علی بن مغیرہ نے ایک ایسی حدیث سنی جو فقہ کے مبانی سے ہم آہنگ نہیں ، کیونکہ سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۳ کی روشنی میں مردار کا گوشت اور روایات کی روشنی میں اسکی کھال نجس ہے لہٰذا علی بن مغیرہ کے لیے یہ بات نہایت ہی حیرت انگیز تھی کی پیغمبر (ص) مردار جانور کی کھال سے استفادہ نہ کرنے پر افسوس کا اظہار کریں اس وجہ سے وہ روایت کو حضرت امام جعفر صادق (ع) کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تاکہ روایت کے نشیب و فراز سے آگاہ ہو سکیں امام (ع) نے اسے حدیث کے سبب صدور سے آگاہ کرکے حدیث کو اس کے لیے قابل فہم بنا دیا۔

۳۔اصول کافی ج ۳ ص ۳۹۸

۵۔ روایات کے سیاق وسباق پر توجہ:

شہید صدر نے سیاق کی یوں تعریف کی ہے: سیاق ان نشانیوں (قرائن) کو کہتے ہیں جن کے ذریعہ مورد نظر لفظ کے معنی کشف ہوتے ہیں چاہے یہ نشانیاں (قرائن) لفظی ہوں، جیسے وہ کلمات کہ جو مورد نظر لفظ کے ساتھ مل کر ایک کلام کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جس کے تمام اجزاء آپس میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔اور چاہے یہ نشانیاں قرائن حالیہ ہوں کہ جس میں کلام واقعہ ہوا ہو اور ایک خاص معنی پر دلالت کر رہے ہوں۔[۴]

قرآن کریم میں کہ جہاں آیات ایک دوسرے سے جدا ہیں، وہاں سیاق اپنا کردار ادا کرتا ہے یعنی جب تک کہ ہم کسی آیت کے سیاق وسباق پر نظر نہ کریں اس وقت تک آیت کے مکمل معنی حاصل نہیں ہو سکتے لیکن اگر پہلے اور بعد والی آیات کی روشنی میں معنی کیے جائیں تو پھر معنی مکمل روشن ہو جائیں گے اور ہر طرح کا ابہام دور ہو جائے گا،

اسی طرح روایات میں بھی سیاق اپنا ایک اہم کردار رکھتا ہے اور حصول معنی کے سلسلہ میں کسی بھی قسم کی غلط فہمی سے بچاتا ہے، مثال کے طور پر حدیث غدیر کے متواتر ہونے کے باوجود اہل سنت اسکی دلالت کو ولایت کے معنی میں قبول نہیں کرتے بلکہ انکا کہنا ہے کہ وہ دوستی اور محبت کے معنی پر دلالت کرتی ہے۔ جبکہ حدیث غدیر (من کنت مولی فهذا علی مولا) کی ولایت کے معنی پر دلالت کے اہم ترین دلائل میں سے ایک دلیل حدیث کا سیاق ہے، رسول خدا (ص) لوگوں کو اپنی عمر کے اختتام کے بارے میں بتا رہے ہیں، لوگوں کو جنت اور دوزخ، عالم محشر، قبر اور قیامت کی طرف متوجہ کر رہے ہیں، اپنی نبوت کے علاوہ مومنین کے نفوس اور مال پر اپنی برتری کا اقرار لے رہے ہیں، فرماتے ہیں: "الست اولی بالمومنین من انفسهم و اموالهم "اس صورت کے پیش نظر پیغمبر (ص) کوئی اس قسم کا پیغام دینا چاہتے ہیں جو ان تمام امور کے ہم رتبہ ہو، اور یہ بات واضح ہے کہ پیغمبر کے کلام میں ولایت سے مراد ہر طرح کی حاکمیت ہے، بلا شبہ اگر انصاف سے اس حدیث پر نظر کی جائے تو حدیث کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے ولایت سے مراد حاکمیت اور سرپرستی ہے نا کہ دوستی اور محبت۔

۶۔ متعارض احادیث پر توجہ:

پیغمبر اسلام (ص) اور آئمہ (ع) کی احادیث میں متعارض احادیث کا وجود احادیث کے ابتدائے زمانے ہی سے دیکھنے میں آتا ہے، لہٰذا آئمہ (ع) کے اصحاب اس مشکل کو حل کرنے کے لیے آپ حضرات کی طرف رجوع کیا کرتے تھے، سلیم ابن قیس حضرت علی

۴۔ رجوع فرمائیں: دروس فی علم الاصول: ج ا ص ۱۳۰

(ع) سے احادیث میں اس اختلاف کی وجہ دریافت کرتے ہیں اور اسی طرح محمد بن مسلم، منصور بن حازم، معلیٰ بن خنیس، زرارہ اور دیگر اصحاب حضرت امام جعفر صادق (ع) سے اسکی علت پوچھتے ہیں [۵] اور آئمہ (ع) ان اختلاف کی علّت بیان کرنے کے بعد انکے راہ حل کی طرف اشارہ کرتے تھے حضرت علی (ع) فرماتے ہیں: خبردار، ہر گز ہمارے کلام میں تناقض نہیں پایا جاتا ہے اور اختلاف اور ظاہری تناقض کی وجہ کلام کے صدور کے مختلف حالات اور اعتبارات کا ہونا بیان کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں: "الاانّ الحدیث ذو شجون، فلایقولن قائلکم ان کلام علی متناقض لانّ الکلام عارض" "جان لو کہ کلام کے مختلف پیرایہ ہوتے ہیں تم میں سے کسی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ یہ کہے کہ علی کے کلام میں تناقض پایا جاتا ہے کیوں کہ کلام مختلف حالات کے پیش نظر صادر ہوتا ہے"

علماء کی نظر میں تعارض کی پیدائش کے مختلف اسباب یہ ہیں: کسی بات کو صحیح نا سمجھنا، تقیّہ، قرینہ کا ناپانا، نقل بمعنی کرنا، حدیث کا جعلی ہونا، احکام کا تدریجی طور پر بیان ہونا، مخاطبین کا مختلف ہونا، راویوں کی سطح فکری کا مختلف ہونا، کسی حکم کا کسی خاص موضوع اور زمانے کے ساتھ مخصوص ہونا، حکومتی اور حکم اولیہ کے درمیان فرق کا ہونا، اسی طرح کلّی اور شخصی حکم کا مختلف ہونا، اسکے علاوہ راویوں کی طرف سے کلام میں عمدی اور غیر عمدی طور پر تصرف اور جابجائی وغیرہ [۶]

احادیث اور روایات کے اختلاف کو حل کرنے کے لیے علوم حدیث، خاص طور پر فقہ الحدیث کی ضرورت پیش آتی ہے، کہ جو احادیث میں پائے جانے والے اختلاف کے حل میں نہایت موثر ہے خاص طور پر دو مقامات پر اسکی تاثیر قابل ذکر ہے، ایک "متن کے مفہوم" اور دوسرے "متکلم کی مراد" کو سمجھنے کے لیے، متن کے مفہوم کو سمجھنے میں اسکی تاثیر اس طرح ہے کہ اسکے ذریعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام حقیقی معنی پر دلالت کرتا ہے یا مجازی معنی پر، وجوب پر دلالت کرتا ہے یا استحباب پر اور ضرورت کے وقت جواز پر، اور الفاظ کا ظہور کب حرمت پر دلالت کرتا ہے اور کب کراہت پر، اسی طرح فقہ الحدیث متکلم کی مراد کو سمجھنے میں موثر ہے کہ یہ کلام اس نے تقیّہ میں تو نہیں کہا یا یہ کہ یہ کلام یا حدیث کسی اور حدیث یا کلام سے منسوخ تو نہیں ہو گئی ان تمام باتوں کی طرف متوجہ رہنے سے متکلم کی حقیقی مراد کو سمجھنے میں آسانی رہتی ہے۔ [۷]

۵۔ رجوع فرمائیں ج۱ ص ۶۲ باب اختلاف حدیث

۶۔ رجوع فرمائیں: روش فہم حدیث ص ۱۹۰

۷۔ مدرک سابق

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«پانچواں سبق»

محمد بن یعقوب کلینی

M.O.U

www.i-MOU.com

research@almustafaou.com

تفصیل

محمد بن یعقوب کلینی

یہ کتاب اصول کافی سے نقل شدہ احادیث کی وضاحت اور تشریح سے متعلق ہے لہٰذا مناسب ہے کہ یہاں کتاب اصول کافی اوراس کے مؤلف کے بارے میں خلاصہ کے طور پر کچھ بیان کیا جائے۔

کتاب کافی کے مؤلف ابو جعفر محمّد بن یعقوب کلینی رازی، ثقۃالا سلام کے لقب سے معروف، فرقہ امامیہ کے مشہور فقہاء اور محدثین میں سے ہیں آپ کا تعلق زمانہ غیبت صغری سے ہے۔آپکی تاریخ اور محل ولادت کے بارے میں مکمل معلومات نہیں ہے ،لیکن قرائن اس بات کی حکایت کرتے ہیں کہ آپ حضرت امام حسن عسکری (ع) (م ۲۶۰ھ ق) کی زندگی کے آخری ایام یا اسکے کچھ دنوں بعد شہر رے ''کے جنوبی گاؤں ''کلین ''میں حسن آباد نامی محلے میں پیدا ہوئے۔

آپ کے والد گرامی یعقوب بن اسحاق ہیں جن کی قبر کلین میں صدیوں سے شیعوں کی زیارت گاہ بنی ہوئی ہے یہ امر اس زمانے میں آپ کی شہرت اور عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے آپ کا مادری گھرانہ علم و فضل کے لحاظ سے ایک معروف خاندان تھا،آپ کے نانا محمد بن ابراہیم بن ابان کلینی اور آپ کی والدہ کے چچا احمد بن ابراہیم بن ابان کلینی کا شمار فاضل محدثین میں ہوتا تھا آپ کے ماموں "علّان" بھی ایک بہت بڑے محدث تھے کہ جو سفر حج اور خانہ خدا کی زیارت کے راستہ میں شہید کردیئے گئے۔

تعلیم اور سفر: آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنے آبائی گاؤں کلین اور اپنے علمی گھرانے سے کیا اور حدیث کے منابع اور علم رجال پر مکمل دسترس حاصل کرلی،آپ نے تحصیل علم کے سلسلہ میں مختلف شہروں جیسے ری، قم، بغداد، اور کوفہ کا سفر کیا،شہر ری کہ جس میں تیسری صدی کے آخر میں اہل سنت کا بہت زیادہ نفوذ تھا اور مختلف فرقوں جیسے اسماعلیہ ،اور مذاہب جیسے شافعی، حنفی اور شیعی آراؤ و نظریات کے ٹکراؤ کا مرکز بن گیا تھا۔اور ایران کا دل شمار کیا جاتا تھا شیخ کلینی نے وہاں حصول تعلیم کے ساتھ ساتھ مختلف فرقوں کے عقائد اور نظریات پر مکمل دسترس حاصل کی اور بہت سی ایسی تحریکوں کے بارے میں مطالعہ کرکے جو شیعوں کو انکے اپنے خط سے منحرف کررہی تھی

مقابلہ کیا۔

۱۔ رجال الحدیث ج ۱۹ ص ۵۸، الفوائد الرجالیہ، ج ۳ ص ۳۳۶

۲۔ رجال شیخ طوسی، ص ۴۰۸

اس زمانہ میں کہ جب تمام اسلامی ممالک میں احادیث و روایات کے ضبط و ثبت کا رواج تھا شیخ کلینی نے اپنی زندگی کا کچھ حصہ شہر قم جسے شہر محدثین اور راویان کہا جاتا ہے میں گذارا اور وہاں کے مشہور و معروف محدثین جیسے احمد بن ادریس قمی (حضرت امام حسن عسکری کے صحابی)، علی بن ابراہیم قمی اور احادیث کے دیگر اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔

آپ کچھ عرصہ کے بعد اہل بیت (ع) کی احادیث کی جمع آوری اور اساتذہ اور محدثین سے استفادہ کے لیے مختلف گاؤں اور شہر گئے من جملہ شہر کوفہ جو اس زمانے میں ایک علمی مرکز کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا یہاں مختلف اساتذہ سے استفادہ کرنے کے بعد بغداد کا رخ کیا جو اس وقت اسلامی علم و ثقافت اور اسلامی عقائد و نظریات کا مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت امام زمانہ (عج) کے آخری نائب علی بن محمد سمری کا محل سکونت بھی تھا۔ بہت سے مورخین کا کہنا ہے کہ شیخ کلینی نے اپنی زندگی کے آخری دو سال بغداد میں گذارے اور وہیں تعلیم و تدریس کے سلسلہ کو جاری رکھا۔ احمد بن ابی رافع اور ابوالحسین عبدالکریم بن نصر بزار[۳] جیسے شاگردوں نے کتاب کافی کی تعلیم آپ سے بغداد ہی میں حاصل کی۔

علمی مقام: شیخ کلینی کے ہمعصر علماء، دانشور اپنی دینی مشکلات کے حل کے لیے آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، شیعہ علماء کے علاوہ اہل سنت سے تعلق رکھنے والے علماء نے بھی آپ کی عظمت و جلالت کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو فقیہ کہہ کر یاد کیا ہے، ابن اثیر نے پیغمبر اسلام (ص) سے روایت نقل کی ہے جس میں آپ نے فرمایا: خداوند متعال اس امت کی ہر صدی کے آغاز میں ایک ایسے شخص کو اٹھائے گا جو دین کی تجدید کرے گا"[۴] اس کے بعد ابن اثیر اس روایت کے ذیل میں گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: پہلی صدی ہجری میں مذہب شیعہ کو زندہ کرنے والے محمد بن علی امام محمد باقر (ع) (م ۱۱۳ھ ق) اور دوسری صدی ہجری میں علی بن موسی امام علی رضا (ع) (م ۲۰۲ھ ق) اور تیسری صدی ہجری میں محمد بن یعقوب کلینی رازی (م ۳۲۹ھ ق) ہیں۔[۵]

۳۔ تھذیب الاحکام، ج ۱۰، ص ۲۹ (مشیخہ)

۴۔ رجوع فرمائیں: سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۳۱۱، ح ۴۲۹۱

۵۔ جامع الاصول: ج ۱۲، ص ۲۲۰۔ ۲۲۲

شیخ کلینی علماء اور دانشوروں کی نگاہ میں :

علم رجال کے ماہر جناب شیخ نجاشی شیخ کلینی کے بارے میں لکھتے ہیں" شیخ اصحابنا فی وقتیہ بالری ، ووجھھم وکان اوثق النّاس فی الحدیث واثبتھم " شیخ کلینی اپنے زمانے میں شیعہ علماء کے پیشوا، ان میں سب سے برجستہ اور ثبت وضبط اور حفظ احادیث کے حوالے سے موثق اور موردِ اعتماد سمجھے جاتے تھے[6]

شیخ طوسی نے بھی آپ کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے: "ثقة عارف بالاخبار" شیخ کلینی موردِ اعتماد اور علم حدیث کے ماہر تھے "[7]

شیخ بھائی کے والد گرامی فرماتے ہیں: محمد بن یعقوب کلینی(رح) شیخ عصرہ فی وقتیہ ووجہ العلماء والنبلاء ، کان اوثق النّاس فی الحدیث وانقدھم لہ واعرفھم بہ" [8] شیخ کلینی اپنے زمانے میں شیعہ علماء کے استاد، شرفاء کے صدر نشین، نقل حدیث میں سب سے زیادہ موردِ اعتماد، نقد حدیث میں پیشرو اور علم حدیث کے سب سے زیادہ ماہر تھے۔

شیخ کلینی کے اساتذہ اور شاگرد:

اساتذہ: شیخ کلینی نے ایسے برجستہ علماء کے سامنے زانوئے ادب طے کیا جن میں سے ہر ایک اپنے وقت کا عظیم الشان محدث شمار ہوتا تھا۔ان اساتذہ میں سے جن سے شیخ کلینی نے کتاب اصول کافی میں روایات نقل کی ہیں چند درج ذیل ہیں :

۱۔ علی بن ابراہیم قمی (۷۰۶۸ روایت)

۲۔ محمد بن یحییٰ عطار قمی (۵۰۷۳ روایت)

۳۔ابو علی اشعری [احمد بن ادریس قمی] (پہلے عنوان سے ۸۷۵ روایت اور دوسرے عنوان کے ساتھ ۱۵۴ روایت)

۴۔ حسین بن محمد اشعری قمی (۸۳۰ روایت)

۵۔ حمید بن زیاد کوفی (۴۵۰ روایت) [9]

۲۔ شاگرد: شیعہ علما اور محدثین کہ جن کا شمار چوتھی صدی میں ایران عراق کے مشہور و معروف علماء میں ہو . تا ہے ، تقریبا سبھی جناب شیخ کلینی کے شاگرد تھے، [10] جیسے

۶۔ رجال نجاشی ص ۳۷۷

۷۔ فہرست کتب الشیعۃ واصولھم ص ۱۳۶

۸۔ وصول الاخیار الی اصول الاخبار : ص ۸۵

۹۔ معجم الرجال الحدیث ، ج ۱۹ ص ۵۸

۱۔ جعفر بن محمد بن جعفر معروف بہ ابن قولویہ قمی (م ۳۶۸ ھ ق) صاحب کتاب کامل الزیارات)

۲۔ محمد بن ابراہیم نعمانی معروف بہ ابن ابی زینب (صاحب کتاب غیبت نعمانی)

۳۔ محمد بن احمد بن صفوانی، مشہور ہے کہ محمد بن ابراہیم نعمانی اور محمد بن احمد بن صفوانی شیخ کلینی کے خاص شاگرد تھے جنھوں نے کتاب کافی کی نسخہ برداری اور روایت کی ہے۔

۴۔ محمد بن علی ماجیلویہ

۵۔ ہارون بن موسی تلّعکبری (م ۳۸۵ ھ ق)"

سوالات:

س۱۔ راغب اصفہانی کی نظر میں الفاظ کی شناخت کی اہمیت بیان کریں۔

س۲۔ کتب لغت سے الفاظ کے حقیقی اور اصلی معنی تک دسترسی کے لیے کن نکات کی طرف توجہ ضروری ہے؟

س۳۔ لغت کی چار اہم کتابوں کے نام بمعہ انکے مؤلف کے ذکر کریں۔

س۴۔ الفاظ کے لغوی مادہ کی طرف توجہ حدیث کے اصلی مفہوم و مقصود تک پہنچنے کے کس حد تک مؤثر ہے مثال دیکر وضاحت کریں؟

س۵۔ لفظ کے لغوی معنی کی طرف توجہ کی اہمیت کو اختصار کے ساتھ بیان کریں

س۶۔ کسی بھی لفظ کے عصر صدور میں پائے جانے والے لغوی معنی پر توجہ کی اہمیت کو مثال کے ساتھ بیان کریں۔

س۷۔ "من حفظ من امّتی اربعین حدیثا ینتفعون بها بعثه الله یوم القیامة فقیها عالما" اس حدیث سے کیا مراد ہے؟

س۸۔ مندرجہ ذیل حدیث کے معنی میں جو احتمالات پائے جاتے ہیں انھیں بیان کریں؟

الف: "ثلاث من علامات المؤمن: علمه بالله، ومن یحب ومن یبغض"

۱۰۔ شیخ کلینی کے مزید ۱۵ شاگردوں کے بارے میں جاننے کے لیے رجوع فرمائیں: مقدمہ کتاب کافی حسین علی محفوظ ص ۱۸۔۲۰

۱۱۔ رجوع فرمائیں: جوامع حدیثی شیعہ: ص ۲۴۔۲۹

ب: "كفى بل جهلا ان تركب ما نهيت عنه"

ج: "ان الله خلق آدم على صورته"

س۹۔ "مراد جدی" اور "مراد استعمالی" سے کیا مراد ہے؟ فہم حدیث میں انکی اہمیت کی وضاحت کریں؟

س۱۰۔ "اسباب صدور حدیث" سے کیا مراد ہے؟ فہم حدیث میں انکی اہمیت کی وضاحت کریں؟

۱۱۔ "روایات میں سیاق" کی اہمیت پر روشنی ڈالیں۔

س۱۲۔ حدیث میں تعارض کی پیدائش کے اسباب و عوامل کے نام بتائیں

س۱۳۔ فہم حدیث میں متعارض احادیث کی طرف توجہ کی اہمیت کی وضاحت کریں

س۱۴۔ شیخ کلینی کا تاریخی اور خاندانی اعتبار سے مختصر تعارف کرائے

س۱۵۔ تحصیل کے دوران شیخ کلینی کے مختلف سفر کی اہمیت بیان کیجیے

س۱۶۔ اہل سنت کے نزدیک شیخ کلینی کے علمی مقام و مرتبہ پر روشنی ڈالیں

س۱۷۔ شیخ کلینی کے بارے دو شیعہ علماء کی نظر بیان کریں
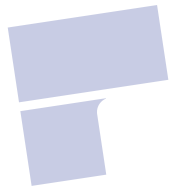
س۱۸۔ شیخ کلینی کے چار برجستہ اساتذہ کے نام بتائے

س۱۹۔ شیخ کلینی کے چار برجستہ شاگردوں کے نام بتائے

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«چھٹا سبق»

کتاب اصول کافی

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

کتاب اصول کافی

کتاب اصول کافی شیعوں کی کتب اربعہ میں جامع اور اہم ترین کتاب ہے، شیخ مفید (رح) اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: کتاب کافی عظیم الشان اور شیعوں کی ایک نہایت مفید کتاب ہے ا، فیض کاشانی صاحب نے اسے کتب اربعہ میں کامل، جامع اور معتبر ترین کتاب جانا ہے، ۲علّامہ مجلسی نے بھی اسے ،دقیق، جامع، اور شیعوں کی بڑی اور بہترین تالیف شمار کیا ہے۔ ۳

اس کتاب کا نام شیخ کلینی نے نہیں رکھا اور اسکی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ شیخ کلینی نے اس کتاب کے آغاز میں جو خطبہ لکھا ہے اس میں اسکے نام کا ذکر نہیں کیا، اگرچہ شیخ نجاشی اور شیخ طوسی نے اسے بعد میں کتاب کافی کے نام سے یاد کیا ہے، البتہ اس بات کا احتمال ہے کہ کتاب کا نام بعنوان "کافی" کتاب کے خطبہ میں موجود اس عبارت سے ماخوذ ہو کہ جہاں آپ اس شخص کو جس نے اس کتاب کے لکھنے کا مطالبہ کیا تھا یوں جواب دیتے ہیں۔" ۴

"وقلت انک تحب ان یکون عندک کتاب کافٍ یجمع فیه من جمیع فنون علم الدین ـ ـ ـ ـ ،"

"آپ نے مجھ سے اس چیز کا مطالبہ کیا ہے کہ آپ کے پاس ایک ایسی کتاب ہونی چاہیے جو آپ کے لیے کافی ہو اور جس میں تمام علوم دین موجود ہوں " ۵

اصول کافی کی ترتیب: کتب روائی میں احادیث کو مختلف ابواب اور انداز میں ترتیب دیا گیا ہے۔ من جملہ انھیں موضوعات کے ساتھ ترتیب دیا گیا ہے اور یہ ایک قدیمی طریقہ کار ہے۔

شیخ کلینی نے بھی اصول کافی کو نہایت مفید اسلوب کے ساتھ موضوعات کو ملحوظ خاطر رکھ کر تین اصلی حصوں میں تقسیم کیا ہے ،: ا۔اصول ۲۔فروع ۳۔روضہ

ا۔ تصحیح الاعتقاد: ص ۲۷

۲۔الوافی: ج ا، ص ۵

۳۔ مرآۃالعقول: ج: ا، ص ۳

۴۔ پژوھشی در تاریخ حدیث شیعہ: ص ۴۷۰

۵۔کافی: ج ا، ص ۸، ۹

اصول اور فروع کافی کو شجری صورت میں ترتیب دیا گیا ہے یعنی ہر کتاب کو چند کتابوں، اور ہر کتاب کو چند ابواب پر اور ہر باب چند احادیث پر مشتمل ہے۔ لیکن کتاب روضہ کو اس طرح ترتیب نہیں دیا گیا بلکہ ایک روایت کے بعد دوسری روایت کو ذکر کیا گیا ہے۔

کتاب ''الکافی'' میں روایات کی اسناد بیان کرنے کا اسلوب:

۱۔ نادر موارد کے علاوہ عدم روایت از غیر معصوم

۲۔ نادر موارد کے علاوہ معصوم تک مکمل اسناد کا ذکر

۳۔ ایک روایت کو متعدد اسناد کے ساتھ ذکر کرنا

۴۔ سند کے ذکر میں امانتداری

۵۔ اختصار سند میں مختلف اسلوب سے استفادہ

۶۔ عن کے ذریعہ روایت

۷۔ بعض مرسلہ روایات کا ذکر

مندرجہ بالا سالیب میں سے میں ہر ایک کے لیے مفصل بحث اور مختلف مثالوں کی ضرورت ہے لیکن اختصار کے پیش نظر اور کتاب کے موضوع "فقہ الحدیث" کی رعایت کرتے ہوئے صرف اسلوب پنجم کی وضاحت کرتے ہیں۔

اختصار سند میں مختلف اسلوب سے استفادہ

شیخ کلینی روایت کی مکمل سند کے ذکر پر خاص توجہ دیتے تھے لیکن بعض اوقات اختصار کی رعایت کرتے ہوئے قرآئن کے پیش نظر سند کے ایک حصہ یا اسکے ابتدائی حصہ کو حذف کردیتے تھے اس حذف سند کے کئی مندرجہ ذیل اسلوب تھے۔

الف: تعلیق برا سناد قبل: یہ اس صورت میں ہے کہ جب موجودہ سند کا ابتدائی حصہ گذشتہ سند جیسا ہو تو شیخ کلینی "بغیر هذا الاسناد" جیسے الفاظ استعمال کیے موجودہ روایت کی سند کو گذشتہ روایت کی سند پر اعتماد کرکے حذف کردیتے تھے، جیسے: علی بن ابراہیم عن احمد بن محمد بن خالد عن محمد بن سنّان۔۔۔ دوسری حدیث میں ہے: محمد بن خالد عن حمزہ بن عبید عن اسماعیل بن عبّاد۔۔۔۶

۶۔ اصول کافی: ج ۸، ص ۲۸۹، ۲۹۰

اس بات کے پیش نظر کہ محمد بن خالد شیخ کلینی کے استاد نہیں ہیں اور شیخ کلینی ان سے کم از کم دو واسطہ کے ساتھ روایت کرتے ہیں واضح ہے کہ شیخ کلینی نے پہلی روایت کی سند پر اعتماد کرتے ہوئے دوسری سند کے ابتدائی حصہ کو بغیر کسی اشارہ کے حذف کر دیا ہے۔

ب: شبہ تعلیق: تکراری سند یا اس کے کچھ حصہ کو حذف کرنے کے لیے "بھذاالاسناد" عبارت سے استفادہ کرنا جیسے: **محمد بن یحیی ، عن احمد بن محمد ، عن الحسین بن سعید ، عن فضاله بن ایوب ، عن ابان ، عن اسماعیل بن الفضل قال : سالت اباعبدالله (ع) عن القنوت وما یقال فیه ؟ فقال : "ما قضی الله عن لسانک ولا اعلم له شیئاً مؤقّتاً"**

اسکے بعد والی روایت میں یوں آیا ہے۔

"بھذاالاسناد" **عن فضاله ، عن ابان ، عن عبدالرحمن بن ابی عن ابی عبدالله (ع) "القنوت فی الفریضة الدعاء وفی الوتر الاستغفار"** ۷

ج: تحویل در سند: یعنی ایک سند سے دوسری سند کی طرف منتقل ہونا، اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب راوی یہ چاہتا ہے کہ ایک حدیث کو جو دو یا دو سے زیادہ اسناد کے ذریعہ نقل ہوئی ہے ایک ساتھ نقل کرے۔

جیسے: علی بن ابراہیم ، عن ابیہ و محمد بن یحییٰ ، عن احمد بن محمد والحسین بن محمد ، عن عبدویہ بن عامر جمیعاً ، عن احمد بن محمد بن ابی نصر ، عن ابان بن عثمان ، عن ابی بصیر ، انہ سمع ابا جعفر وابا عبداللہ (ع) ---۸

شیخ کلینی (رح) نے مندرجہ بالا سند کو دو واسطوں کے ذریعہ اپنے تین اساتذہ کے طریق سے احمد بن محمد بن ابی نصر سے نقل کی ہے لیکن سند کو مندرجہ بالا صورت میں ایک ساتھ نقل کیا ہے، بنا بر ایں، مذکورہ روایت درج ذیل تین اسناد کے ساتھ ذکر کی جا سکتی ہے

الف: علی بن ابراہیم عن ابیہ عن احمد بن محمد بن ابی نصر

ب: محمد بن یحییٰ عن احمد بن محمد عن احمد بن محمد بن ابی نصر

۷۔ مدرک سابق: ج ا ص ۴۷

۸ اصول کافی: ج ا، ص ۴۷

ج: الحسین بن محمد، عن عبدویہ بن عامر عن احمد بن محمد بن ابی نصر۔

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«ساتواں سبق»

کتاب اصول کافی (۲)

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

د: راویوں کے ناموں کا اختصار کے ساتھ ذکر: بہت سے مقامات پر خاص طور پر اختصار کے پیش نظر راویوں کے ناموں کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ان کے پورے نام کو ذکر کرنے سے صرف نظر کیا گیا ہے، جسکی وجہ سے کبھی راویوں کے نام ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں جنھیں دوسری اسناد یا کتب رجال اور احادیث میں موجود قرائن سے پہچانا جاسکتا ہے، مثلاً ایک روایت کی سند یوں روایت کی گئی ہے "علی، عن محمد، عن یونس، عن ابان عن سلیمان بن ہارون۔۔۔" ۱

مذکورہ روایت میں ذکر شدہ نام چند اشخاص میں مشترک ہیں اور اسناد میں دقّت اور تتبّع سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اصلی سند اس طرح تھی "علی بن ابراہیم، عن محمد بن عیسی، عن یونس بن عبدالرحمٰن، عن ابان بن عثمان، عن سلیمان بن ہارون۔۔۔" لیکن گذشت زمان کی وجہ سے ان میں بعض اسامی کی تشخیص علماء رجال کے لیے بھی مشکل ہو گئی تھی، اسی لیے بعض نام جیسے "احمد بن محمد، "ابن سنان" "حمّاد" "ابن فضّال" "محمد بن یحییٰ" اور محمد بن اسماعیل" متاخرین علماء کے نزدیک مورد بحث ہیں تاکہ ان کے صحیح مصداق کی تشخیص دی جاسکے۔

چنانکہ "محمد بن اسماعیل" یہ نام سات راویوں میں مشترک ہے جن میں سے تین راوی ثقہ اور چار راوی مجہول ہیں ۲

ھ: عدّة من اصحابنا جیسی عبارت سے استفادہ: عدّة من اصحابنا سے مراد شیخ کلینی کے اساتذہ اور مشائخ ہیں جنکی آپ نے اختصار کے پیش نظر تصریح نہیں کی، "عدّة من اصحابنا" کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے "عدّة" معلوم اور "عدّة" مجہول

"عدّة" معلوم: وہ افراد ہیں جن کی علماء رجال تشخیص دے چکے ہیں لہٰذا یہ "عدّة" (افراد) سند کے مرسلہ ہونے کا سبب نہیں بنتے، کتاب اصول کافی کے عدّة معلوم وہ افراد ہیں کہ جب "عدّة من اصحابنا" کی عبارت کے بعد مندرجہ ذیل افراد میں سے کوئی ایک ہو۔

۱۔ عدّة من اصحابنا عن احمد بن محمد بن عیسی۔ یہاں عدّة سے مراد پانچ افراد ہیں "محمد بن یحییٰ، علی بن موسی الکمیدانی، داود بن کورہ، احمد بن ادریس، اور علی بن ابراہیم بن ہاشم"۔

۱۔ مدرک سابق ج ۱، ص ۴۳۔۴۵

۲۔ رجوع فرمائیں: منتقی الجمعان: ص ۴۳۔۴۵

۲۔ عدّۃ من اصحابنا عن احمد بن محمد بن خالد البرقی [احمد بن ابی عبداللہ ،برقی] یہ "عدّۃ" بھی ,پانچ افراد ہیں۔" علی بن ابراہیم، علی بن محمد بن عبداللہ، ابن اذینہ، احمد بن عبداللہ بن امیّہ اور علی بن الحسین السّعد آبادی"۔

۳۔ عدّۃ من اصحابنا عن سہل بن زیاد۔ یہ چار افراد ہیں، " علی بن محمد بن علّان، محمد بن ابی عبداللہ، محمد بن الحسن اور محمد بن العقیل الکلینی" ۳

عدّۃ مجہول سے مراد وہ افراد ہیں جو مذکورہ بالا تین افراد کے علاوہ کسی اور سے نقل روایت کریں جیسے:

عدّۃ من اصحابنا عن ابراہیم بن اسحاق الاحمر

عدّۃ من اصحابنا عن احمد بن محمد بن ابی نصر

کسی بھی حدیثی یا رجالی کتاب میں عدّۃ مجہول سے مراد افراد کی وضاحت نہیں ہوئی ہے اس لیے ان سے مروی روایت مرسل کہلاتی ہے۔

یادآوری: "بعض اصحابنا" جیسی تعبیر بھی مجہول شمار ہوتی ہے اور سند کے مرسل ہونے کا سبب بنتی ہے فرق صرف یہ ہے کہ "عدّۃ من اصحابنا" کی تعبیر چند افراد کیلیے اور "بعض اصحابنا" کی عبارت ایک فرد کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

اصول کافی کی روایات کی صحت کے بارے میں علماء کی آراء و نظریات:

اصول کافی کے بارے میں ایک اہم بحث اسکی روایات کے معتبر ہونے سے متعلق ہے،آغاز ہی سے علماء، محدثین اور فقہاء میں اس سلسلہ میں کافی نقاش پایا جاتا ہے، مجموعی طور پر اصول کافی کی روایات کی صحت کے بارے میں دو نظر پائی جاتی ہیں۔

۱۔ افراطی نظر: (شیعہ اخباریوں کی نظر) یہ لوگ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اصول کافی سمیت کتب اربعہ کی تمام روایات صحیح اور قطعی الصدور ہیں۔

۲۔ منصفانہ نظر: اکثر شیعہ علماء کی نظر یہ ہے کہ کتاب کافی اپنی تمام خصوصیات کے باوجود چند ضعیف السند اور مردود روایات پر مشتمل ہے۔

۳۔ رجوع فرمائیں: خلاصۃ الاقوال، الفائدۃ الثالثۃ ص ۴۳۰

حقیقیت میں روایات کے ضیف السند ہونے کے اشکال کی بنیادی وجہ علماء متاخرین کی وہ خاص نظر ہے جو وہ صحیح اور ضعیف روایات کے بارے میں رکھتے ہیں لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ صحیح اور ضعیف روایات کے بارے میں قدماء اور علمائے متاخرین کے معیار کے فرق کی وضاحت کریں۔

قدماء اور علمائے متاخرین کے نزدیک صحیح اور ضعیف ہونے کا فرق:

قدماء جیسے شیخ کلینی، شیخ صدوق، اور شیخ طوسی کے نزدیک صحیح کی تعریف علمائے متاخرین سے مختلف ہے

شیعہ قدماء کے نزدیک حدیث کی دو قسمیں ہیں: ۱) صحیح، ۲) غیر صحیح

شیعہ قدماء کے نزدیک صحیح کی تعریف:

"هو ما وثقوا بكونه من المعصومين (ع) اعم من ان يكون منشاء وثوقهم كون الراوى والثقات او امارات اخر" ۴

شیعہ قدماء کے نزدیک صحیح حدیث وہ حدیث ہے جس کے معصوم (ع) سے صادر ہونے کا اطمینان ہو جائے چاہے یہ اطمینان راوی کی وثاقت کی وجہ سے حاصل ہو یا کسی اور قرینہ کی وجہ سے بنابرایں شیعہ قدماء کے نزدیک صحیح حدیث وہ حدیث ہے جسے

۱۔ ایسے افراد نقل کریں جو مورد وثوق ہوں اگرچہ وہ امامی نہ ہوں۔

۲۔ یا حدیث ایسے قرائن کے ساتھ ہو جن کی وجہ سے مضمون خبر کے معصوم سے صادر ہونے پر یقین ہو جائے۔ان قرائن میں سے بعض درج ذیل ہیں۔

۱۔ حدیث اصول اربعہ مائۃ کی اکثر کتب میں موجود ہو

۲۔ حدیث ایک یا چند اصول میں تکرار ہوئی ہو

۳۔ حدیث اصحاب آئمّہ (ع) میں سے کسی ایک (جیسے زرارہ، محمد بن مسلم، اور صفوان وغیرہ) کی اصل میں موجود ہو۔

۴۔ حدیث ایسی کتاب میں موجود ہو جسے امام کی خدمت میں پیش کیا گیا ہو اور امام نے اسکی تائید کی ہو جیسے یونس بن عبدالرحمٰن اور فضل بن شاذان کی کتاب کہ جو امام حسن عسکری (ع) کی خدمت میں پیش کی گئیں اور امام (ع) نے انکی تائید فرمائی۔

۴۔ خاتمہ مستدرک: ج ۳، ص ۴۸۲، منہج المقال پر وحید بہبھانی کے تعلیقہ سے منقول: ص ۶

۵۔ حدیث ایسی مشہور و معروف کتاب میں موجود ہو جو علمائے سلف کے نزدیک مورد اعتماد ہو۔۵

لیکن مرور زمان کے پیش نظر کیونکہ بہت سے قرائن مفقود ہو چکے ہیں اور اب ان سے روایت کی صحت کے لیے استفادہ نہیں کیا جاسکتا لھذا بعض شیعہ محدثین نے احادیث کو اسکی سند میں پائے جانے والے راویوں کی حالت کے اعتبار سے تقسیم کیا ہے۔اس طرح شیعہ متاخرین میں سے ۔ سید احمد طاؤوس (م ۶۷۳ھ ق) کے بعد ۔ اکثر کے نزدیک حدیث چار قسموں میں تقسیم ہوتی ہے۔ صحیح ، حسن ، موثق اور ضعیف۔حدیث کی یہ تقسیم صرف سند کی خصوصیات کی بناپر ہے یعنی سند کے متصل اور منقطع اور راویوں کی خصوصیات کے اعتبار سے ہے اس مبنی اور نظریہ کے مطابق متاخرین کے نزدیک صحیح ایک ایسی حدیث کو کہتے ہیں جسکی سند معصوم تک متّصل ہو اور اسکے تمام راوی تمام طبقات میں امامی اور عادل ہوں۔۶

بیان گذشتہ کی روشنی میں قدماء کے نزد یک صحیح متاخرین کے نزد یک صحیح سے عام ہے، ممکن ہے بہت سی ایسی روایات جو قدماء کے نزدیک صحیح ہیں متاخرین کے نزدیک کہ جو صرف صحت سند کو ملاک قرار دیتے ہیں ضعیف شمار ہوں۔اسی لیے اصول کافی میں مرسل اور ایسی روایات جو مجہول اور ضعیف افراد سے نقل ہوئی ہیں دیکھنے میں آتی ہیں کہ قدماء موجودہ قرائن کی وجہ سے انھیں صحیح سمجھتے تھے۔البتہ اس بات کی طرف توجہ ضروری ہے کہ ہمیشہ ضعیف السند سے مراد حدیث کا غیر معتبر (اور مردود) ہونا نہیں ہے، بہت سے متاخرین کے نزدیک بعض امور جیسے اس حدیث کے مطابق اکثر علماء نے فتوی دیا ہو (جسے شہرت فتوائی کہتے ہیں) یا حدیث کے متن کی جانچ پڑتال اسکی سند کے ضعف کو جبران اور عملی طور پر اسے معتبر بنا سکتی ہے۔اس معنی میں کہ حدیث ضعیف السند ہونے کے باوجود معتبر ہو جیسے احادیث مقبول۔

گذشتہ بیان کی روشنی میں کہہ سکتے ہیں کہہ اگر شیخ کلینی کی اس عبارت "بالآثار الصحیحة عن الصادقین (ع) "۷ کا مطلب یہ لیں کہ آپ کی یہ عبارت اس بات کی حکایت کرتی ہے کہ اصول کافی میں تمام روایات صحیح ہیں تو اس سے مراد وہی اصطلاح قدماء میں جو صحیح کی تعریف ہے اسکے مطابق ہیں اور یہ چیز اس بات سے ہر گز منافات نہیں رکھتی کہ متاخرین کی اصطلاح کے مطابق اس میں بہت سی روایات سند کے اعتبار سے ضعیف ہوں۔۸

۵۔مشرق الشمسین : ص۲۶۹، خاتمہ مستدرک الوسائل : ج ۳، ص ۴۸۱۔ ۴۸۲

۶۔الرعایۃ لحال البدایۃ فی علم الدرایہ : ص ۶۶

۷۔اصول کافی (مقدمہ) ج ۱، ص ۹

۸۔رجوع فرمائیں : معجم رجال الحدیث : ج ۱، ص ۸۵

سوالات:

س ا۔ اصول کافی کی اہمیت کے بارے میں کسی بھی دو شیعہ علماء کی نظر بیان کریں

س ۲۔ کتاب کافی کے نام رکھنے کی علّت بیان کریں

س ۳۔ کتاب کافی کی ترتیب و تنظیم پر روشنی ڈالیں

۴۔ کتاب کافی کی اسناد کے مختلف اسلوب کو بیان کریں

۵۔ کتاب کافی میں سند کے اختصار کرنے کے مختلف طریقے بیان کریں

۶۔ کتاب کافی میں سند کے اختصار کرنے کے اسلوب " تعلیق بر ما قبل " کی مثال کے ساتھ وضاحت کریں

۷۔ کتاب کافی میں سند کے اختصار کرنے کے اسلوب " شبہ تعلیق " کی مثال کے ساتھ وضاحت کریں

۸۔ کتاب کافی میں سند کے اختصار کرنے کی عبارت " عدّۃ" کی مثال کے ساتھ وضاحت کریں اور بیان کریں کہ " عدّۃ" معلوم سے شیخ کلینی کی کیا مراد ہے؟

۹۔ عدّۃ مجھول پر دلالت کرنے والی تعبیر اور سند میں اسکے نتیجہ کی وضاحت کریں

۱۰۔ متاخرین اور متقدمین کے نزدیک اصطلاح صحیح میں جو فرق پایا جاتا ہے اسکی مختصر وضاحت کریں۔

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«آٹھواں سبق»

فضیلت علم (۱)

M.O.U

www.i-MOU.com

research@almustafaou.com

تفصیل

وجوب علم (۱)

فہم حدیث کے مبانی سے مختصر سی آشنائی کے بعد اب ہم اصول کافی میں سے "کتاب فضل العلم "، "کتاب الحجۃ" اور کتاب العشرۃ" میں سے منتخب احادیث کی تشریح بیان کرتے ہیں۔

پہلی حدیث :

اخبرنا محمد بن یعقوب ، عن علی بن ابراہیم بن ہاشم ، عن ابیه ، عن الحسن بن ابی الحسین الفارسی ، عن عبدالرحمن بن زید ، عن ابیه ، عن ابی عبدالله (ع) قال رسول الله (ص) : طلب العلم فریضة علی کل مسلم ، الا انّ الله یحبّ بغاة العلم " اصول کافی ج ۱ ص ۳۰ ح ۱

تشریح: اس حدیث میں علم سے مراد دو چیزیں ہیں :

۱۔ اصول عقائد کا علم : جیسے خدا کی شناخت، پیغمبر کی شناخت، امام کی شناخت، اور معاد کی شناخت۔

۲۔ شریعت اور تکالیف شرعیہ کا علم : جس میں عبادات اور معاملات سب شامل ہیں

اصول عقائد کے دو مرحلے ہیں،

پہلے مرحلہ میں اصول عقائد پر مضبوط اور ، پائیدر اعتقاد رکھنا ہے، اگرچہ یہ استدلال اور ، براہین کی بنیاد پر نہ ہو اور اس سلسلہ میں پائے جانے والے شبہات کا جواب نہ دے سکتا ہو۔ اعتقاد کا یہ مرحلہ سب پر واجب عینی ہے۔

دوسرا مرحلہ میں اصول عقائد پر مضبوط اور ، پائیدر اعتقادر کھنے کے علاوہ استدلال اور ، براہین عقلی اور نقلی کی بنیاد پر اسکی تبلیغ کی توانائی اور شبہات کا جواب دے سکتا ہو کہ یہ مرحلہ واجب کفائی ہے۔

شریعت اور تکالیف شرعیہ کے علم کے بھی دو مرحلے ہیں

پہلے مرحلہ میں احکام شرعی عملی کا علم چاہے بغیر استدلال اور جامع الشرائط مرجع تقلید کی تقلید کی بنیاد پر ہی استوار ہو علم شریعت کا یہ مرحلہ سب پر واجب عینی ہے۔

دوسرے مرحلے میں تفصیلی دلائل کی بنیاد پر احکام شرعیہ کا علم جیسے آج کی اصطلاح میں اجتہاد کہتے ہیں یہ واجب کفائی ہے

واجبات عینی کے موضوعات افراد کی نسبت مختلف ہیں جو شخص فقیر ہے اور اسکے پاس زیادہ توان مالی نہ ہو تو اس پر اصول عقائد اور فروع دین جیسے نماز، روزہ، وضو، غسل، اور انکے مبطلات کی شناخت اسی طرح حلال وحرام اور نجس، پاک کے احکام کی شناخت واجب ہے، لیکن جو شخص غنی اور مالدار ہے تو اس پر حج اور مالی واجبات جیسے خمس اور زکاۃ کی ادائیگی بھی واجب ہے اس کا ان تمام احکام کو سیکھنے کے علاوہ کہ جنکا فقیر کو سیکھنا واجب ہے دوسرے احکام جیسے حج، زکاۃ اور خمس کے احکام کا سیکھنا واجب ہے اور جو تاجر ہے اسکے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام مذکورہ احکام کو سیکھنے کے علاوہ معاملات جیسے عقود اور باطل معاملات کے احکام بھی سیکھے۔

مسلمانوں پر وجوب علم کی علّت:

آپ کی اس فرمائش کی علّت "**فریضة علی کل مسلم**" کہ وجوب علم کو مسلمانوں کے لیے خاص طور پر بیان کر رہے ہیں یہ ہے کہ یہاں مسلمانوں کو مورد خطاب قرار دے کر ان کے فریضہ کو بیان کر رہے ہیں اور اس کا مطلب یہ نہیں کہ علم کا طلب کرنا غیر مسلمانوں پر واجب نہیں ہے شاید اسی لیے بعض احادیث میں اس وجوب کو مطلق طور پر بیان کیا ہے۔

محمد بن یحیی ، عن محمد بن الحسین، عن محمد بن عبدالله ، عن عیسی بن عبدالله العمری ،عن ابی عبدالله (ع) قال :طلب العلم فریضة"

علم کی اہمیت:

حدیث کے آخر میں فرماتے ہیں:

"**الا انّ الله یحبّ بغاة العلم** "آگاہ ہو جاؤ کہ خدا علم کے طلب کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"

لغوی بحث: "بغاۃ"، باغی کی جمع ہے، جسکا مادہ "بغو" ہے جس کے معنی مضبوط ارادہ اور کسی چیز کو شدت سے طلب کرنے کے ہیں۔[1]

ادبی بحث: مذکورہ جملہ: الا" سے شروع ہوا ہے جس سے مطلب کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، پھر اس کے بعد حرف تاکید "انّ" اور پھر جملہ اسمیہ سے اسکی تاکید کی ہے، یہ تمام تاکیدات علم کی اہمیت، خدا کے نزدیک اسکی قدر و منزلت اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ خدا طالبان علم سے بے انتہا محبت کرتا ہے۔

۱۔ التحقیق فی کلمات القرآن الکریم: مادہ "بغو"

دوسری حدیث :

علی بن ابراہیم ،عن محمد بن عیسی۔ ،عن یونس بن عبدالرحمن ،عن بعض اصحابہ ،قال: سئل ابوالحسن (ع) ھل یسع الناس ترک المسئالة عمّا یحتاجون الیہ ؟ فقال :لا

اصول کافی ج۱ص۳۰ ح۳

لغوی بحث:اس حدیث میں اباالحسن سے مراد حضرت امام موسی کاظم (ع) یاامام علی رضا (ع) ہیں۔

الفاظ کے معنی: " "مسئالہ " اور " سوال" ہر دو مصدر ہیں ان کے معنی سوال کرنے کے ہیں

"ھل یسع" : یعنی کیا جائز ہے؟

شرح: راوی سوال کے ترک کرنے کے جواز کے بارے میں امام (ع) سے سوال کرتا ہے، یعنی کیا جائز ہے کہ کوئی شخص اپنے دینی اور دنیاوی امور کے بارے میں لاپرواہو اور اصول دین اور فروع دین میں سے جو چیزیں اس کے لیے ضروری ہیں انکے مسائل کو ترک کردے اور ہرگز انکے بارے میں فقہاء اور علماء سے سوال نہ کرے؟

امام (ع) نے نہایت ہی مختصر عبارت "لا" یعنی نفی مطلق کے ذریعہ سوال کرنے والے کو کامل اور جامع جواب دے دیا یعنی لوگوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ تمام امور اور مسائل جنکی انھیں ضرورت ہے انکے بارے میں سوال نہ کریں بلکہ انکے لیے ضروری ہے کہ وہ اس قسم کے مسائل کے بارے میں اہل علم سے سوال کریں۔

سوال کی اہمیت :

قرآن کی دوآیتوں میں علماء سے سوال کرنے کے بارے میں حکم دیا گیا ہے،ارشاد ہوتا ہے: "**فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون**[۲]" اگر تم نہیں جانتے تواہل علم سے سوال کرو۔

روایات میں بھی جہالت اور نادانی کی دوا سوال کو کہا گیا ہے جیسا کہ پیغمبر اسلام (ص) کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "دواء العیّ السوال" " جہالت اور نادانی کی دوا سوال ہے"[۳]

۲۔سورہ مبارکہ نحل آیہ ۴۳، سورہ مبارکہ انبیاء آیہ ۷

۳۔اصول کافی ج۱ص۴۰

سوال کے آداب: ہر کام کے کچھ آداب ہیں سوال جو علم کا دروازہ ہے اس کے بھی اپنے مخصوص آداب ہیں کہ سوال کرنے والے کی ذمہ داری ہے کہ انکی رعایت کرے علماء کے بیان کے مطابق سوال کے مندرجہ ذیل آداب ہیں۔

۱۔ سوال کو مؤدّبانہ صورت میں کرنا چاہیے

۲۔ جواب کو خاموشی کے ساتھ سنا جائے

۳۔ سوال کے جواب کو یاد رکھا جائے

۴۔ سوال کے جواب پر عمل کیا جائے

۵۔ سوال کے جواب کی نشرواشاعت کی جائے

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگر کوئی یہ چاہے کہ عالم کے فیض سے بہرہ مند ہو تو اسے چاہیے کہ جب عالم سے ملاقات ہو تو اس فرصت کو غنیمت سمجھے اور اس قسم کے سوال کرے جو خود اسکے لیے اور دوسرے سامعین کے لیے مفید ہو نہ یہ کہ بیہودہ سوالات سے عالم کا بھی وقت ضائع کرے اور دوسروں کے بھی استفادہ کرنے کے مانع ہو۔اس لیے کہا گیا ہے کہ سوال کرنے والے کو چار چیزوں کے بارے میں سوال کرنا چاہیے ۱۔اپنے پروردگار کی شناخت کے بارے میں سوال ۲۔پروردگار کی مخلوق کے بارے میں سوال ۳۔پروردگار کی نسبت اپنے وظائف اور ذمہ داری کے بارے میں سوال ۴۔ان تمام چیزوں کے بارے میں سوال جو دین کی بربادی اور اس سے خارج ہونے کا سبب بنتی ہیں۔ ۴

جواب دینے والے کا وظیفہ:

جواب دینے والے لیے ضروری ہے کہ اچھے انداز میں اور مصلحت کے پیش نظر مسئلہ کا دقیق جواب دے،البتہ اگر مصلحت اس میں ہو کہ مسئلہ کا جواب نہ دیا جائے تو اسے چاہیے کہ جواب نہ دے چنانچہ وشاء حضرت امام علی رضا (ع) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین (ع) نے فرمایا: "علی الائمّة من الفرض ما لیس علی شیعتھم ، علی شیعتنا ما لیس علینا ، امرھم اللہ ان یسالونا قال: ": "فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون" فامرھم ان یسالونا ولیس علینا الجواب ،ان شئنا اجبنا ،وان شئنا امسکنا "۵ "اماموں کہ اوپر جو ذمہ داری عائد

۴۔ملا صالح مازندرانی، شرح اصول کافی ج۲ ص۷

۵۔اصول کافی ج۱ ص ۲۱۲

ہوتی ہے، وہ ذمہ داری انکے شیعوں پر عائد نہیں ہوتی، اور جو ذمہ داری شیعوں پر عائد ہوتی ہے وہ ذمہ داری امام پر عائد نہیں ہوتی ہے، خداوند عالم نے انھیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم سے پوچھیں اور فرمایا ہے: اگر نہیں جانتے تو اہل علم سے سوال کرو، پس ان سے کہا ہے کہ ہم سے پوچھیں لیکن جواب ہم پر واجب نہیں اگر چاہیں گے تو جواب دے دینگے اور اگر نہیں چاہینگے تو جواب نہیں دینگے۔ البتہ اس حدیث میں امام کی مراد یہ ہے کہ اگر مصلحت ہوگی تو جواب دے دینگے اور اگر مصلحت نہیں ہوگی تو جواب نہیں دینگے نہ یہ کہ جواب دینے نہیں چاہتے ہیں۔

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد و اسالیب
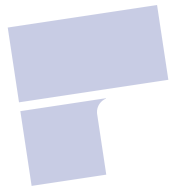
«نواں سبق»

فضیلت علم (۲)

M.O.U

www.i-MOU.com

research@almustafaou.com

تفصیل

تیسری حدیث:

"علی بن محمد وغیرہ ، عن سهل بن ذیاد ومحمد بن یحیی ، عن احمد بن محمد بن عیسی جمیعا ، عن ابن محبوب عن هشام بن سالم عن ابی حمزہ عن ابی اسحاق السبیعی ، عمّن حدّثه قال : سمعت امیر المؤمنین یقول : ایّها الناس اعلموا ان کمال الدین طلب العلم والعمل به ، الا وان طلب العلم اوجب علیکم من طلب المال ، انّ المال مقسوم مضمون لکم قد قسمه عادل بینکم وضمنه وسیفی لکم ، والعلم مخزون عنداهله وقد امرتم بطلبه من اهله فاطلبوه"

اصول کافی ج۱ص۳۰ح۴

ادبی بحث: (اعلموا) یاتو بمنزلہ فعل لازم ہے اور اسکا مفعول محذوف ہے اور اسکے بعد جملہ مستانفہ ہے جو اسکی علت ہے جس میں ایک قسم کی تحصیل علم کی ترغیب دی گئی ہے، یا یہ کہ متعدی ہے اور اسکے بعد کا جملہ اسکے لیے مفعول ہے۔

شرح: امام (ع) لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمارہے ہیں: ایّها الناس اعلموا، اے لوگو: جان لو"، اسکے بعد امام دین کے کمال کو تحصیل علم اور اسکے اوپر عمل کو جانتے ہوئے فرماتے ہیں: ان کمال الدین طلب العلم والعمل به"، بعض کا کہنا ہے کہ یہاں علم سے مراد وہ علم ہے جو عمل سے متعلق ہو، لیکن اس تخصیص کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ، ہر علم عمل سے متعلق ہوتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ علم ناقص ہوگا، مثلاً خدا کے وجود، اسکی قدرت، اسکے لطف واحسان کا علم، اسکے اوامر و نہی کی اطاعت چاہتا ہے اسی طرح جنت کا علم اسکا حصول اور دوزخ کا علم اس سے نجات کا طلبگار ہے۔ اسکے بعد امام (ع) علم اور مال کے درمیان مقائسہ کرتے ہوئے علم کے حصول پر تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: " الا وان طلب العلم اوجب علیکم من طلب المال " آگاہ ہو جاؤ کہ علم کا طلب کرنا تم پر مال کے طلب کرنے سے زیادہ واجب ہے۔

نکات:

پہلا نکتہ: مال کا طلب کرنا ضرورت کی حد تک واجب ہے تا کہ اسکے وسیلہ سے جسم کو صحیح و سالم اور اپنی عزت وآبرو کو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے محفوظ رکھا جاسکے، اور لوگوں کے مال پر نظر نہ رکھے اور اسکے وسلیہ سے خدا کی عبادت اور اطاعت میں

مدد طلب کرے۔چنانچہ پیغمبر اسلام (ع) سے روایت ہے آپ نے فرمایا: "بارک لنا فی الخبز ولا تفرّق بیننا وبینہ فلو لا الخبز ماصلّینا ولا صمنا ولا ادّینا الفرائض "1 روٹی کو ہمارے لیے مبارک قرار دے ہمارے اور اسکے درمیان جدائی نا فرما کیونکہ اگر روٹی نا ہوتی تو ہم نماز نا پڑھتے ، روزہ نا رکھتے ، واجبات کو انجام نا دیتے (یعنی ہم ان کاموں کو انجام نہیں دے سکتے تھے) البتہ مال کا طلب کرنا زہد کے منافی نہیں ہے کیونکہ زہد کا مطلب مال سے دوری اور رزق حلال کے کمانے سے پرہیز کرنا نہیں ، بلکہ زہد یہ ہے کہ آپ کا اعتماد اس پر جو آپ کے پاس ہے اس سے زیادہ نہ ہو جو خدا کے پاس ہے اسی لیے حضرت امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب نے زہد کی تفسیر امیدوں اور آرزوں کو کم کرنے ، نعمتوں پر شکر کرنے ، اور خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں سے پرہیز کرنے سے ، کی ہے ۲

جی ہاں ! زہد حلال کا ترک کرنا نہیں ، جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق (ع) فرماتے ہیں : لا خیر فیمن لا یحب جمع المال من حلال ، یکف بہ وجھہ ویقضی بہ دینہ و یصل بہ رحمہ "۳ جو شخص حلال مال کے طلب کو دوست نا رکھتا ہو کہ جس کے ذریعہ وہ اپنی عزت و آبرو کو حفظ ، اپنے قرض کو ادا اور اس کے ذریعہ صلہ رحم انجام دے سکے تو اس شخص میں کسی قسم کی خیر نہیں ہے "

دوسرا نکتہ : علم کا طلب کرنا مال کے طلب کرنے سے زیادہ واجب ہے ، اس لیے کہ علم دل کی زندگی ، آنکھوں کا نور ، روح کی غذا اور دنیا وآخرت میں اسکی بلندی اور کمال کا سبب ہے ، لیکن مال دنیا میں جسم کی حیات اور اسکی بقاء کا سبب ہے ، اور روح جسم سے اعلی واشرف اور اسکی حیات جسم کی حیات کے مقابلہ میں پائیدار ہے ۔

حضرت علی (ع) علم کی مال پر برتری کو جناب کمیل کے لیے یوں بیان فرماتے ہیں :

"یا کمیل العلم خیر من المال العلم یحرسک ، وانت تحرس المال ، والمال تنقصہ النّفقہ والعلم یزکو علی الانفاق وصنیع المال یزول بزوالہ ۔ یا کمیل بن زیاد ، معرفۃ العلم دین یدان بہ ، بہ یکسب الانسان الطاعہ من حیاتہ وجمیل الاحدوثہ بعد وفاتہ ، والعلم حاکم والمال محکوم علیہ ، یا کمیل

۱۔ اصول کافی ج ۵ ، ص ۷۲

۲۔ رجوع فرمائیں : اصول کافی ج ۵ ، ص ۷۱

۳۔ اصول کافی : ج ۵ ، ص ۷۲

بن زیاد هلک خزّان الاموال وهم احیاء، والعلماء باقون مابقی الدهر ، اعیانهم مفقوده ، وامثالهم فی القلوب موجوده"[۴]

اے کمیل! علم مال سے بہتر ہے، علم تمہاری حفاظت کرتا ہے جبکہ تم مال کی حفاظت کرتے ہو، مال کو خرچ کیا جائے تو وہ کم ہو جاتا ہے لیکن علم اگر خرچ کیا جائے (دوسروں کو اسکی تعلیم دی جائے) تو بڑھتا ہے جو شخصیت مال سے بنتی ہے تو مال کے ختم ہوتے ہی وہ شخصیت بھی ختم ہو جاتی ہے،

اے کمیل ابن زیاد! علم کی شناسائی ایک دین ہے کہ جس کی اقتداء کی جاتی ہے اسی سے انسان اپنی زندگی میں دوسروں سے اپنی اطاعت منواتا ہے اور مرنے کے بعد نیک نامی حاصل کرتا ہے، یاد رکھو کہ علم حاکم ہوتا ہے اور مال محکوم۔

اے کمیل! مال اکھٹا کرنے والے زندہ ہونے کے باوجود مردہ ہوتے ہیں اور علم حاصل کرنے والے رہتی دنیا تک باقی رہتے ہیں بے شک ان کے اجسام نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں مگر ان کی صورتیں دلوں میں موجود رہتی ہیں۔"

اسے بعد امام (ع) مال کے حصول کے علم سے زیادہ واجب نا ہونے کے بارے میں دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں: انّ المال مقسوم مضمون لکم ،قد قسمه عادل بینکم وضمنه وسیفی لکم، کیونکہ مال قطعی طور پر تمھیں دیا جائے گا اور اسکی ضمانت لی جاچکی ہے اور اسے ایک عادل تم ھارے درمیان تقسیم کریگا جسکی اس نے ضمانت لی ہے اور وہ مکمل طور پر اسے تمھیں دے گا" اس مطلب کی وضاحت میں چند نکات کی طرف توجہ ضروری ہے۔:

پہلا نکتہ: "قسمہ" یا مقسوم کی تاکید ہے یا مقسوک کے فاعل کا حال" اور "ضمنہ" تقسیم کے لیے ایک اور تاکید ہے۔

دوسرا نکتہ: روزی کا تقسیم ہونا اور اسکی ضمانت کو قرآن نے متعدد آیات میں بیان کیا ہے:

" نحن قسمنا بینهم معیشتهم فی الحیاۃ الدنیا " [۵]

" واما من دابّة فی الارض الّا علی الله رزقها "[۶]

وفی السّماء رزقکم وماتوعدون فوربّ السّماء والارض انّه لحق مثل ما انّکم تنطقون "[۷]

۴۔ نہج البلاغہ، کلمات حکمت ۱۴۷

۵۔ سورہ مبارکہ زخرف آیہ ۳۲

۶۔ سورہ مبارکہ ہود آیہ ۶

تیسرا نکتہ : "یفی" مادد "وفی"۸ سے ہے جس کے معنی مکمل ادائیگی کے ہیں، یعنی رزق مکمل طور سے تم , تک پہنچ جائے گا اور جب تک انسان کا رزق مکمل طور سے اس تک نا پہنچے وہ اس دنیا سے نہیں جائیگا اور انسان جس جگہ بھی ہو اس کا رزق اسے مل جائیگا ،حضرت امام جعفر صادق (ع) سے روایت ہے کہ "**لو کان العبد فی جحر لاتاہ اللہ برزقہ فاجملوا فی الطّلب**" ۹ "اگر خدا کا بندہ کسی سوراخ میں بھی ہوگا تو خدا اسکی روزی اسے پہنچادے گا لہٰذا بہتر سے بہتر کی تلاش میں رہو"

حضرت علی (ع) سے روایت ہے کہ آپ (ع) سے سوال ہوا: کہ اگر کوئی شخص گھر میں ہو اس گھر کے دوازے اسپر بند کر دیے جائیں اور وہ اسی گھر میں محصور ہو کر رہ جائے تو اسکی روزی اس تک کہاں سے پہنچے گی، امام (ع) نے فرمایا جس جگہ سے اسکی موت اس تک پہنچے گی اسی جگہ سے اسکی روزی اس تک پہنچے گی "۱۰

علم کے واجب تر ہونے کی علّت:

آخر میں امام (ع) نے علم کے واجب تر ہونے کی علّت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "**والعلم مخزون عند اھلہ وقد امرتم بطلبہ من اھلہ فاطلبوہ**" "علم اپنے اہل کے پاس ذخیرہ شدہ ہے اور تمھیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اسے اسکے اہل سے طلب کرو پس اسے اس کے اہل سے طلب کرو"

نکات:

پہلا نکتہ: روزی انسان کے پیچھے ہے اور وہ انسان کو ضرور ملے گی لیکن انسان کو چاہیے کہ وہ علم کے پیچھے رہے تاکہ وہ اس تک پہنچ جائے اسی لیے طلب علم طلب مال سے زیادہ واجب تر ہے اور اسکی زیادہ تاکید کی گئی ہے۔

دوسرا نکتہ: وہ اہل علم جن کے پاس علم ذخیرہ ہے وہ اہل بیت (ع) ہیں کہ قرآن نے انھیں "اہل ذکر" کے عنوان سے یاد کیا ہے ۔اور سب کو یہ حکم دیا ہے کہ ان سے علم حاصل کریں، چنانچہ ارشاد ربّ العزت ہے: "**فسالوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون**" ۱۱

۷۔ سورہ مبارکہ ذاریات آیہ ۲۲۔۲۳

۸۔ النھایہ: مادہ "وفی"

۹۔ جامع احادیث الشیعہ: ج۱۷، ص۱۸

۱۰۔ نہج البلاغہ حکمت ۳۵۷

۱۱۔ سورہ مبارکہ آیہ ۴۳

تیسرا نکتہ: اس حدیث میں علم کے حصول پر، تاکید کے ساتھ اس بات کا بھی حکم دیا گیا ہے کہ اسے اسکے اہل سے طلب کیا جائے، کیونکہ علم کا اس کے اہل کے علاوہ کسی اور سے طلب کرنا گمراہی اور ضلالت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

سوالات:

۱۔اس حدیث "طلب العلم فریضۃ علی کلّ مسلم" کی روشنی میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیئے

الف: علم سے کیا مراد ہے؟ اسکے مراتب کی وضاحت کیجئے

ب: علم کے وجوب کو مسلمانوں کے ساتھ مخصوص کرنے کا سبب بیان کیجئے

۲۔ "الا ان اللّٰہ یحب بغاۃ العلم" کی وضاحت کیجئے

۳۔اس حدیث "ھل یسع الناس ترک المسالہ عمّا یحتاجون الیہ؟ فقال: لا" میں بیان شدہ سوال اور امام (ع) کے جواب کو مختصرا بیان کیجئے

۴۔ قرآن اور حدیث کی نظر میں کی یہمیت پر روشنی ڈالیں

۵۔ حضرت امام علی رضا (ع) کی روایت کی روشنی میں جواب دینے والے کا وظیفہ بیان کیجیے

۶۔ "اعلموا انّ طلب العلم۔۔۔" میں "اعلموا" کا لازم اور متعدی کے اعتبار سے معنی بیان کیجیے اور اسکا جائزہ کیجیے

۷۔ "اس عبارت "انّ کمال الدین طلب العلم والعمل بہ۔۔۔" میں علم سے کیا مراد ہے؟

۸۔ مال کے مقابلہ میں علم کے واجب تر ہونے کی علّت بیان کیجیے

۹۔اس عبارت "انّ المال مقسوم مضمون لکم، قد قسمہ عادل بینکم وضمنہ وسیفی لکم،" کی ادبی اور مفہوم کے اعتبار سے مختصر وضاحت کیجیے

۱۰۔اس عبارت "والعلم مخزون عند اھلہ۔۔۔" میں اہل سے کیا مراد ہے قرآن کی آیت کا سہارا لیکر اسکی وضاحت کیجیے

ہوم ورک

مندرجہ ذیل احادیث کا سند اور متن کے اعتبار سے جائزہ لیجیے

۱۔ علی بن ابراھیم ، عن محمد بن عیسی ، عن یونس رفعه قال : قال لقمان لابنه : یابنیّ اختر المجالس علی عینک فان رایت قوما یذکرون الله جلّ وعزّ فاجلس معهم فان تکن عالما نفعک علمک وان تکن جاهلا علّموک ولعلّ الله ان یظلّهم برحمته فیعمّک معهم ، واذا رایت قوما لا یذکرون الله فلا تجلس معهم فان تکن عالما لم ینفعک علمک وان کنت جاهلا یزیدوک جهلا ولعلّ الله ان یظلّهم بعقوبة فیعمّک معهم۔

۲۔ علی بن ابراهیم عن ابیه ومحمد بن یحیی ، عن احمد بن محمد بن عیسی۔ جمیعا ، عن ابن محبوب ، عن درست بن ابن منصور ، عن ابراهیم بن عبد الحمید ، عن ابی الحسن موسی بن جعفر (ع) قال: محادثة العالم علی المزابل خیر من محادثة الجاهل علی الزرّابی

۳۔ عدّة من اصحابنا ، عن احمد بن محمد البرقی عن شریف بن سابق ، عن الفضل بن ابی قرّة عن ابی عبدالله (ع) قال ، قال رسول الله (ص) قالت الحواریّون لعیسی۔ : یا روح الله من نجالس ؟ قال : من یذکرکم الله رویته ، ویزیدفی علمکم منطقة ، ویرغبکم فی الآخرة عمله۔

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«دسواں سبق»

علم کا واجب ہونا

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

علم کا واجب ہونا

چوتھی حدیث:

علی بن محمد بن عبداللہ ، عن احمد بن محمد بن خالد عن عثمان بن عیسی۔ عن علی بن ابی حمزہ قال: سمعت ابا عبداللہ (ع) یقول: تفقّھوا فی الدین ، فانّہ من لم یتفقّہ منکم فی الدّین فھو اعرابی انّ اللہ یقول فی کتابہ "لیتفقّھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلّھم یحذرون"[1]

کافی ج ۱ ص ۳۱ ح ۱

لغوی بحث: "تفقّھوا" مادہ فقہ سے جس کے معنی کسی چیز کو دقّت اور باریک بینی کے ساتھ سمجھنا ہے، اور "تفقّہ" باب تفعّل سے ہے جس کے معنی کسی چیز میں دقّت کرنا اور سمجھنا ہے۔ لہٰذا فقیہ اسے کہتے ہیں جس میں یہ صفت پائی جائے اور یہ چیز کسی خاص موضوع کے ساتھ مختص نہیں ہے[2] اگرچہ عصر حاضر میں فقیہ اسے کہا جاتا ہے جو دین کے احکامات میں عالم ہو۔

(الدّین) اس کے معنی اطاعت اور جزا کے ہیں اور اب یہ شریعت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے[3] اور موجودہ دور میں اس سے مراد اسلام ہے، جیساکہ ارشاد ربّ العزت ہوتا ہے "انّ الدین عند اللہ الاسلام "[4]

شرح: اس حدیث میں حضرت امام جعفر صادق (ع) نے ابتداء میں سب کو دین میں غور فکر کی دعوت دی ہے "لہٰذا فرماتے ہیں "تفقّھوا فی الدّین" یعنی دین میں تفکّر وتدبّر کرو۔

دینی بصیرت:

"دین میں تفقّہ" سے مراد دینی مطالب کو دقّت اور باریک بینی کے ساتھ سمجھنا ہے اور یہ اس وقت ممکن نہیں جب تک کے ہم خود دین کی حدود اور اسکے بنیادی اصول سے مکمل طور سے آگاہ نہ ہو کہ اس کا پہلا مرحلہ عقائد اور معارف اسلامی ، دوسرے مرحلہ

---

۱ - سورہ مبارکہ توبہ آیہ ۱۹

۲ - التحقیق فی کلمات القرآن الکریم: مادہ "فقہ"

۳ - مفردات راغب: مادہ "دین"

٤ - سورہ مبارکہ آل عمران: آیہ ۱۹

تزکیہ نفس او تھذیب نفس اور تیسرا مرحلہ احکام شریعت پر مشتمل ہے۔ان مراحل کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنے کا نام ہی دینی بصیرت ہے۔

اسکے بعد امام (ع) نے ان افراد کو جو دین میں تفقّہ نہیں رکھتے اعرابی (نادان) کے عنوان سے یاد کیا ہے،آپ فرماتے ہیں: "**فانّه من لم یتفقّه منکم فی الدّین فهواعرابی**" پس یقینا جو تم سے دین میں فہم دقیق نارکھتا ہو وہ اعرابی ہے۔"

لغوی بحث: (اعرابی) کا مفراد نہیں ہے وہ اعراب کا اسم منسوب ہے جسکے معنی بادی نشین عرب ہیں کہ جو احکام شرعی نہیں جانتے اور اس عبارت میں اس سے مراد وہ افراد ہیں جو احکام دین کے حصول میں کسی قسم کی دقّت سے کام نہیں لیتے۔ یہ لوگ جہالت اور نادانی کے اعتبار سے ان اعراب کی طرح ہیں جنکی قرآن نے مذمت کی ہے ارشاد ہوتا ہے: " {**الأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ أَلاَّ يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنزَلَ اللّهُ عَلَى رَسُولِهِ**۔۔۔۔}. "[٥] یہ دیہاتی کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور اسی قابل ہیں کہ جو کتاب خدا نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اس کے حدود اور احکام کو نہ پہچانیں ۔۔۔"

اپنے کلام کے آخر میں امام (ع) قرآن کی آیت سے استفادہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کیونکہ خدا اپنے کلام میں فرماتا ہے: {---لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ}.

,تاکہ دین میں دقّت کریں اور پھر جب اپنی قوم کی طرف پلٹ کر آئے تو اسے عذاب الٰہی سے ڈرائے کہ شاید کہ وہ (خدا کی مخالفت سے) ڈرنے لگیں[٦]

نکات:

پہلا نکتہ: دین میں تفقّہ واجب ہے اس لیے کہ اگر واجب نا ہوتا تو قرآن اس کے لیے خارج ہونے کا حکم نا دیتا

دوسرا نکتہ: دین میں تفقّہ واجب کفائی ہے، کیونکہ وجوب خروج ہر قبیلہ کے ایک گروہ (ایک فرد ہو یا زیادہ) کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے، لیکن اگر واجب عینی ہوتا تو پھر ہر شخص کے لیے واجب ہوتا

تیسرا نکتہ: خبر واحد حجت ہے، کیونکہ خداوند عالم نے دین میں تفقّہ رکھنے والے گروہ کے انذار کے بعد قوم کے ہر فرد پر واجب کیا ہے کہ وہ ڈرے،اور گروہ کا مطلب ایک یا دو افراد ہوں تو انکی خبر خبر واحد ہے،

---

٥ -سورہ مبارکہ توبہ آیہ ٩٧

٦ - سورہ مبارکہ توبہ آیہ ١٢٢

پانچویں حدیث:

الحسین بن محمد عن جعفر بن محمد عن القاسم بن الربیع ، عن مفضل بن عمر ، قال : سمعت ابا عبداللہ (ع) یقول : علیکم بالتفقّہ فی دین اللہ ، ولا تکونوا اعرابا ، فانّہ من لم یتفقّہ فی دین اللہ ، لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ ولم یزکّ لہ عملا۔ اصول کافی ج ا ص ۳۱، ح ۷

شرح:

امام (ع) نے اپنی اس حدیث میں ایک بار پھر لوگوں کو دین فہمی کی طرف دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "**علیکم بالتفقّہ فی دین اللہ**"

ادبی بحث: (علیکم) اسم فعل ہے یعنی میں تمھیں دین فہمی کی وصیت کرتا ہوں۔

لغوی بحث: "لم یزکّ" فعل جحد ہے جسکا مادہ "زکو" ہے جو لم سے مجزوم ہے جس کے معنی رشد و نمو اور پاک و پاکیزگی ہے۔[7]

"**ولا تکونوا اعرابا**" تم لوگ اعراب (بدو عربوں) کی طرح نہ ہو جو دین کی نسبت جاہل، احکام الہی سے غافل، اور ان کو سیکھنے سے منہ پھر لیتے تھے۔

اس کے بعد امام (ع) ان لوگوں کے عذاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو دین فہمی سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں ارشاد فرماتے ہیں: **فانّہ من لم یتفقّہ فی دین اللہ ، لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ ولم یزکّ لہ عملا**" یقینا جو شخص دین فہمی سے دور ہو تو خداوند متعال قیامت کے دن نا اس پر اپنی نظر رحمت کریگا اور نا ہی اسے پاک کریگا۔

نکات:

پہلا نکتہ: نگاہ کرنا محبت اور نگاہ نا کرنا بغض و ناخشنودی پر دلیل ہے، اس حدیث میں خدا کا نگاہ نا کرنا کنایہ ہے خشم، غضب، بے اعتنائی، اور خدا کی رحمت، فیض اور اسکے احسان کے سلب ہونے کے لیے کہ جو خدا کے مقام قرب سے محرومیت کا سبب بنتا ہے،

دوسرا نکتہ: یہاں پر خدا کے نگاہ کرنے سے مراد ظاہری آنکھ سے دیکھنا نہیں ہے کیونکہ اس کا لازمہ تجسیم (خدا کے لیے جسم کا قائل ہونا) ہے جو باطل ہے، خدا کو کسی بھی چیز سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی جیسا کہ وہ فرماتا ہے، "**لیس کمثلہ شیء**"[8] اور اس

---

۷ - مقاییس اللغۃ: مادہ "زکو"

سے مراد یہ بھی نہیں ہے کہ سب اسکی نظروں سے او جھل ہیں کیونکہ بندگان خدا میں سے کوئی بھی اسکی نظروں سے او جھل نہیں ہو سکتا وہ جہاں بھی ہو خدا اس کے ساتھ ہے جیسا کہ اس نے فرمایا : "**هو معكم اين ما كنتم** "[9] اور اس مورد میں بندوں میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔

تیسرا نکتہ : " تزکیہ " یعنی رشد و نمو اور طہارت و پاکیزگی[10] یہاں مراد یہ ہے کہ اس کے عمل کو پاک نہیں کیا جائے گا یعنی اسکے عمل کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ عمل کے قبول ہونے کا لازمہ یہ ہے کہ وہ پاک ہو اور ہر قسم کے ظاہری اور معنوی نقص سے دور ہو اور جب عمل پاک نہ ہو تو پھر قابل قبول بھی نہیں ہوگا۔

چھٹی حدیث : **محمد بن اسماعیل ، عن الفضل بن شاذان ، عن ابن ابی عمیر ، عن جمیل بن درّاج ، عن ابان بن تغلب ، عن ابی عبدالله (ع) قال : لوددت انّ اصحابی ضربت رءؤسهم بالسیاط حتی یتفقّھوا۔**

کافی : ج ا ص ا۳ ح ۸

لغوی بحث : (لوددت) : اس کا مادہ "الود" ہے کسی چیز سے محبت کرنا اور اسکی آرزو کرنا"[11]

ادبی بحث : (ضربت) : (السیاط) "سوط کی جمع ہے جس کے معنی "تازیانہ" ہے یا پھر "تا" پر پیش ہے اور صیغہ متکلم کا ہے، یا "تا" پر ساکن ہت اور "ضاء" پر پیش ہے اور فعل مجہول ہے۔

شرح : یہ حدیث دین میں تفقہ کی اہمیت کے بارے میں ایک اور بیان ہے، امام (ع) نے اسکی اس حد تک اہمیت سمجھی ہے کہ فرمایا کہ اگر اصحاب کو تازیانہ لگا کر تنبیہ کرنے کی ضرورت پیش آئے تو یہ کام کیا جائے تا کہ وہ دین میں تفقّہ کریں اسی لیے فرمایا : **لوددت انّ اصحابی ضربت رءؤسهم بالسیاط حتی یتفقّھوا** "میری یہ آرزو تھی کہ میرے اصحاب کے سروں پر تازیانہ لگایا جاتا تا کہ وہ دین میں تفقّہ کرتے "

نکات :

---

۸ - سورہ مبارکہ شوریٰ آیہ ۱۱

۹ - سورہ مبارکہ حدید آیہ ۴

۱۰ مقاییس اللغۃ : مادہ "زکو"

۱۱ : مفردات راغب اصفہانی : مادہ "ودد"

پہلا نکتہ: انسان کا "سر" اسکے تمام اعضاء میں شرف رکھتا ہے اور حدود اسلامی کے اجراء کے وقت بھی "سر" پر مارنے سے روکا گیا ہے لیکن اسکے باوجود امام (ع) فرمارہے ہیں کہ میرے اصحاب کے سروں پر مارا جاتا تاکہ دین میں تفقّہ کرتے اور یہ جملہ اس شخص کی تادیب میں تاکید اور مبالغہ پر دلالت کرتا ہے جس نے دین میں تفقّہ چھوڑ دیا ہے،

دوسرا نکتہ: اس حدیث سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ اگر لوگ کسی نیک کام کو ترک کردیں تو حاکم اسلامی کو چاہیے کہ انھیں اس کام کے کرنے پر مجبور کرے اگرچہ اس کام کے لیے اسے تازیانہ کا استعمال کرنا پڑے یا کسی اور چیز سے تنبیہ کرنی پڑے۔

ساتویں حدیث: **علی بن محمد عن سهل بن زیاد، عن محمد بن عیسی، عمّن رواه عن ابی عبدالله (ع) قال: قال له رجل: جعلت فداک رجل عرف هذا الامر، لزم بیته ولم یتعرّف الی احد من اخوانه؟ قال: فقال: کیف یتفقّه هذا فی دینه؟** اصول کافی ج۱، ص۳۱ ح۹

شرح: اس حدیث میں ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا جارہا ہے جو اہل بیت (ع) کے شیعوں میں سے ہے اور انکی ولایت پر یقین رکھتا ہے، لیکن خانہ نشینی کی وجہ سے اپنے کسی بھی دینی بھائی سے آشنائی نہیں رکھتا، امام (ع) سے اسکی اس حالت کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے امام (ع) نے ایک سوال کے ضمن میں اسکے بارے میں اپنی نظر بیان کردی اور علم سے متعلق بھی اسکے وظیفہ کو بیان کردیا۔

"**رجل عرف هذا الامر**" یعنی ایک ایسا مرد ہے کہ جو امر امامت کی شناخت رکھتا ہے اور اس پر مکمل اعتقاد رکھتا ہے" یہ جملہ "**عرف هذا الامر**" رجل کی صفت ہے۔

"**ولم یتعرّف الی احد من اخوانه**" یعنی اپنے برادران دینی کے نزدیک معروف نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں آمدورفت نہیں رکھتا کہ وہ اسے پہچانیں

"**قال: فقال: کیف یتفقّه هذا فی دینه؟**" آپ نے فرمایا: کہ وہ کس طرح اپنے دین میں تفقّہ کرتا ہے؟ یہ استفہام انکاری ہے یعنی جو حالت اس نے اپنی اختیار کی ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دین میں تفقّہ نہیں کیا ہے کیونکہ تفقّہ کا لازمہ یہ ہے کہ اساتذہ سے سنا جائے اور ان سے سیکھا جائے اور یہ چیز ممکن نہیں مگر یہ کہ اہل علم کے پاس ایک طولانی مدّت تک آمد ورفت رکھی جائے لہٰذا جس شخص نے خانہ نشینی اختیار کی ہوئی ہے وہ ہرگز اس قسم کی آمد ورفت نہیں رکھتا اسکی مثال اس مریض کی سی ہے طبیب کے پاس نہیں جاتا اور اس نے اپنے دین کو نابودی اور ہلاکت کے کنارے پر پہنچادیا ہے۔

حدیث متعارض:

یہ حدیث ممکن ہے بعض احادیث سے ظاہری طور پر منافات رکھتی ہو مثلاً حضرت امام علی (ع) سے نقل شدہ روایت جس میں آپ فرماتے ہیں:

"یا ایّھا النّاس طوبیٰ لمن شغلہ عیبہ عن عیوب النّاس ، وطوبیٰ لمن لزم بیتہ و اکل قوتہ واشتغل بطاعۃ ربّہ وبکیٰ علیٰ خطیئتہ۔"[۱۲]

"اے لوگو! خوش نصیب ہے وہ شخص جسکے اپنے عیوب نے اسے دوسروں کے عیوب کی طرف متوجہ ہونے سے روک رکھا ہے ،پس خوش نصیب ہے وہ شخص جو ہمیشہ گھر میں رہتا ہے،اپنی غذا کھا تا ہے اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہتا ہےاور اپنی خطاؤں پر گریہ کرتا ہے"

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے،اس لیے کہ پہلی حدیث میں خانہ نشینی کی مذمت کی علت دین میں تفقّہ کو ترک کرنا تھی لیکن دوسری حدیث میں خانہ نشینی کی تعریف وستائش مندرجہ ذیل امور کی وجہ سے تھی۔

۱۔ دوسروں کی عیب جوئی سے دوری کی خاطر۔ طوبیٰ لمن شغلہ عیبہ عن عیوب النّاس"

۲۔ دنیا طلبی سے اپنے آپ کو روکنے کی خاطر۔طوبیٰ لمن لزم بیتہ و اکل قوتہ۔۔۔۔"

۳۔ خانہ نشینی اگر کسی کے لیے لائق تعریف ہے تواسکے لیے ہے جواپنے پروردگار کی اطاعت میں مشغول ہواور اپنے گناہوں پر گریہ وزاری کررہاہو۔واشتغل بطاعۃ ربّہ وبکیٰ علیٰ خطیئتہ

ممکن ہے کہ اس صورت میں بھی خانہ نشین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اہل علم میں سے ہو، تاکہ زمان ومکان کے شرائط کو پرکھ کر اپنے وظیفہ کی تشخیص دے سکے کہ اس کا وظیفہ معاشرہ کے لوگوں سے دوری اور خانہ نشینی ہے، یا پھر اس کا وظیفہ لوگوں کے درمیان موجودگی اور جہاد وتلاش ہے۔

بہر حال معاشرہ میں اور لوگوں کے درمیان ہونا یا ان سے دوری اور کنارہ کشی اختیار کرنا اور خانہ نشین ہونا کا حکم زمان ومکان اور افراد کے لحاظ سے مختلف ہے لہٰذا ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے شرائط کو ملحوظ خاطر رکھ کر اپنے شرائط پر عمل کرے۔

---

۱۲ - نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۶

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«گیارہواں سبق»

علم کی اہمیت

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

علم کی اہمیت

پہلی حدیث :

محمد بن الحسن وعلی بن محمد عن سهل بن زیاد عن محمد بن عیسی۔عن عبید الله بن عبد الله الدهقان عن درست الواسطی معن ابراهیم بن عبدالحمید عن ابی الحسن موسی (ع) قال :دخل رسول الله (ص) المسجد فاذا جماعة قد اطاعوا برجل ،فقال:ماهذا ؟ فقیل علّامة ،فقال وماالعلّامة ؟ فقالوا له: اعلم النّاس بانساب العرب ووقائعها وایّام الجاهلیّة والاشعار العربیة قال : فقال النّبی (ص) ذاک علم لا یضرّ من جهله ولا ینفع من علمه ثمّ قال النّبی (ص) انّما العلم ثلاثة آیة محکمة او فریضة عادلة او سنّة قائمة وما خلا هنّ فهو فضل۔

اصول کافی ج ا ص ۳۲ ، ح ا

شرح :اس حدیث میں حضرت امام موسی کاظم (ع) ایک حکایت کی خبر دے رہے ہیں کہ ایک رسول خدا مسجد میں داخل ہوئے توآپ نے دیکھا ایک جماعت کو دیکھا جو ایک شخص کے ارد گرد جمع ہے اس کے بعد آپ (ص) نے ان لوگوں سے اس شخص اور اس کے شغل کے بارے میں کچھ مندرجہ ذیل سوالات کیے جنھیں انکی شرح کے ساتھ بیان کر رہے ہیں ۔

پیغمبر اسلام (ص) نے پوچھا: "ماھذا " یہ کیا ہے ؟ (یا یہ کیا ہے ؟)

ادبی بحث :اس عبارت میں " ما " استفہام اور اور طلب تصور کے لیے ہے کہ جس کی دو قسمیں ہیں ۔

ا۔اس سے مراد اسم کی شرح ہے اس صورت میں ایسے لفظ سے جواب د ِیا جائے گا جو اپنے مطلوب پر دلالت کرنے میں اظھر اور اشھر ہو چاہے مفرد کی صورت میں ہو یا مرکب کی صورت میں ۔

۲۔ اس سے مراد کسی چیز کی حقیقت یا ماہیت کا طلب کرنا ہے چاہے وہ چیز اسم ذات ہو یا اسم وصف جیسے ماالعلم ؟ یا یہ کہ دونوں سے مرکب ہو جیسے مالانسان العالم ؟ اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں یہی دوسری قسم مقصود ہو کیونکہ یہاں اس شخص کی حقیقت کے بارے میں سوال ہے ؟ کہ جو اس صفت سے متّصف ہے جسکی وجہ سے لوگ اسکے گرد جمع ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ " من" کے

بجائے جو صاحبان عقل کے لیے "ما" سے سوال کیا گیا ہے جو تحقیر، اہانت، اور تنبیہ کے لیے ہے اگرچہ یہ احتمال پیغبر اسلام (ص) کی سیرت کے پیش نظر بعید ہے۔

"فقیل" علّامۃ، کہا گیا علاّمہ ہے (علاّمۃ) مبالغہ کا صیغہ ہے جس کے معنی بہت زیادہ علم والے کے ہیں یعنی ایسا شخص جس کے پاس بہت زیادہ علم ہو، علاّمہ کی "ۃ" علم میں مذید مبالغہ کے لیے ہے۔

"فقال: وما العلاّمۃ؟ فرمایا کس چیز کا علاّمہ ہے؟ یہاں "ما" اسم کی شرح جاننے کے لیے ہے اس لیے کہ علاّمہ علم وفنون کے متعدد ہونے کی وجہ سے متعدد افراد پر صادق آتا ہے ویہاں پر معلوم نہیں تھا کہ کون سے علم وفن کا علاّمہ ہے؟ اس لیے سوال کی ضرورت تھی۔

"فقالوا: اعلم النّاس بأنساب العرب ووقائعها وايام الجاهليه والاشعار العربيه، انھوں نے جواب دیا: یہ شخص عربوں کے انساب، انکے حوادث و واقعات، زمان جاہلیت کے حوادث و واقعات اور عربوں کے اشعار جاننے میں لوگوں میں سب سے زیادہ دانا ہے۔" قال: فقال النّبي (ص) ذاك علم لا يضر من جهله ولا ينفع من علمه، حضرت امام موسی کاظم (ع) نے فرمایا: پیغمبر اسلام (ص) نے فرمایا: یہ وہ علم ہے کہ اگر کوئی اسے نا جانے تو اسے آخرت میں کوئی نقصان نہیں ہوگا اور اگر کوئی اسے جانتا ہو تو آخرت میں اسے کوئی فائدہ نہیں ہوگا"

بلکہ یہ ایک قسم کی فضیلت ہے کہ جو لوگوں کی توجہ کا سبب بنتا ہے کہ اس کی بھی کوئی خاص فضیلت نہیں اور نا ہی اس کا جاننے والا علاّمہ کہلائے گا۔

در حقیقت پیغمبر (ص) نے اس بیان سے اس بات کو سمجھایا کہ اس قسم کی باتوں کا جاننا علم نہیں کہلاتا ہے۔

" ثمّ قال النّبي (ص) انّما العلم ثلاثة' پھر آپ (ص) نے فرمایا علم کی صرف تین قسمیں ہیں: یعنی وہ علم کہ جس کا نا جاننا قیامت کے دن ضرر کا باعث ہے اور جس کا جاننا اس کے صاحب کے لیے قیامت کے دن فائدہ مند ہے اور اس کے جاننے والے کو علاّمہ کہا جاسکتا ہے اس علم کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: "آیۃ محکمۃ" محکمہ یعنی واضح الدّلالہ (جسکی دلالت واضح ہو) جس نسخ نا ہوا ہو اور اس میں کسی قسم کا تشابہ نا پایا جاتا ہو، نسخ نا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے معانی مستحکم اور قوی ہیں اور اس کا حکم زائل نہیں ہوا ہے۔ اور اس میں تشابہ نا پایا جاتا ہو اس

سے مراد یہ ہے کہ خود بخود اس کے بیان میں استحکام اور قوت پائی جاتی ہے اور اسکی معرفت کے لیے کسی اور معارف اور حقائق کی ضرورت نہیں ہے یا یہ کہ اسکی تاویل کی ضرورت نہیں یا یہ کہ اس کے معنی میں اختلاف نہیں پایا جاتا۔

دوسری قسم: " **او فریضـة عادلـة** "واجبات کا وہ علم جس میں اعتدال پایا جاتا ہو اور افراط و تفریط نام کی کوئی چیز نا پائی جاتی ہو یا ممکن ہے کہ عادلہ سے مراد ایسا علم جس میں ثبات پایا جاتا ہو اور منسوخ نا ہوا ہو۔

تیسری قسم: "**اوسنّة قائمة**"سنّت سے مراد سیرت نبوی ہے اور "**قائمه**" سے مراد اس کا مستمر اور جاری ہونا ہے۔

پہلی قسم محکمات قرآن (اصول، فروع، مواعظ و نصائح اور گذشتہ لوگوں کے قصوں میں پائی جانے والی عبرتوں) کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جن میں اختلاف پایا جاتا ہے، یا وہ متشابہ ہیں انھیں معصوم کے علاوہ کوئی نہیں جانتا حق کو ان سے لینا چاہیے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ربّ العزت ہے: "**وما یعلم تأویله الاّ الله والرّاسخون فی العلم** "[1]

دوسری قسم عمل کی کیفیت کی طرف اشارہ ہے جس میں افراط و تفریط نہیں پائی جاتی یا ممکن ہے بغیر کسی افراط و تفریط کے واجبات کے علم کی طرف اشارہ ہو جس میں عقائد احکام اور اخلاق سب شامل ہیں

اور تیسری قسم مستحبات کی طرف اشارہ ہے۔

پیغمبر اسلام (ص) نے علم کو تین قسموں میں تقسیم کرنے کے بعد فرمایا: "**وما خلا هنّ فهو فضل** "جو ان تین کے علاوہ ہو وہ ایک قسم کی فضیلت ہیں۔

(فضل) یعنی زیادہ اس میں دو معنی کا احتمال پایا جاتا ہے۔ایک یہ کہ ایسا زیادہ جس میں اخروی خیر نا پائی جاتی ہو چاہے وہ علم ممدوح ہو جیسے علم ریاضی، یا ہندسہ، یا وہ مذموم ہو جیسے سحر وغیرہ، یا پھر فضل کے معنی یہ ہیں کہ وہ فضیلت شمار ہوتا ہے لیکن اسکا حاصل کرنا ضروری نہیں ہے۔ علم ریاضیات، ادبیات عرب، اور منطق کا کچھ حصہ مقدمہ کے عنوان سے مذکورہ تین علوم کا جزء شمار ہونگے کیونکہ ہر چیز کے مقدمہ کا حکم اسکے ذی المقدمہ جیسا ہوتا ہے۔

---

١ -سورہ مبارکہ آل عمران آیہ ٧

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«بارہواں سبق»

علم کی اہمیت (۲)

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

دوسری حدیث : محمد بن یحیی عن احمد بن محمد بن عیسی عن محمد بن خالد عن ابی البختری، عن ابی عبداللہ (ع) قال : انّ العلماء ورثة الانبیاء ـ وذاک انّ الانبیاء لم یورثو ا درهما ولا دینارا وانّما اورثوا احادیث من احادیثهم ،فمن اخذ بشیء منها فقد اخذ حظاوافر ا ـ فانظروا علمکم هذا عمّن تاخذونه فانّ فینا اهل البیت فی کلّ خلف عدولا ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاهلین ـ اصول کافی ج ا ص ۳۱ ح ۲

لغوی بحث : "ورثہ" وارث کی جمع ہے اور وارث وہ ہوتا ہے جو مرنے کے بعد کسی سے ارث لیتا ہے۔

شرح : اس حدیث میں حضرت امام جعفر صادق (ع) نے علماء کو انبیاء کا وارث کہا ہے آپ فرماتے ہیں : " انّ العلماء ورثة الانبیاء "یقینا علماء انبیاء کے وارث ہیں ـ یہ جملہ علماء کے لیے ایک بہت بڑی فضیلت ہونے کے ساتھ ساتھ تحصیل علم کی ترغیب بھی ہے ،اگرچہ زیادہ تر وراثت کا تعلق مورث کے مال سے ہوتا ہے لیکن امام (ع) نے انبیاء کے سلسلہ میں اس قسم کی وراثت کی نفی کرتے ہوئے فرماتے ہیں : " وذاک انّ الانبیاء لم یورثو ا درهما ولا دینارا "یقینا انبیاء درہم اور دینار ارث میں نہیں چھوڑتے ،انبیاء (ع) کی یہ شان نہیں کہ وہ درہم اور دینار جمع کرنے میں لگ جائیں لہٰذا اس جملہ کا مطلب یا یہ ہے کہ علماء جو چیز انبیاء (ع) سے ارث لیتے ہیں وہ درہم ودینار نہیں ،یا یہ معنی ہیں کہ علماء اگر انبیاء کے وارث ہیں تو انکی نبوت کے اعتبار سے ان کے وارث ہیں اور انبیاء اس اعتبار سے اپنی وراثت میں درہم و دینار نہیں چھوڑتے اور اگر تھوڑا بہت دنیاوی مال چھوڑ بھی دیں تو انکے جسمانی وارث اس مال کے وارث ہوں گے ، امام (ع) انبیاء سے درہم ودینار کی وراثت کی نفی کرتے ہوئے انکی احادیث کو انکی وراثت کے طور پر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں : وانّما اورثوا احادیث من احادیثهم " علماء صرف انکی احادیث میں سے احادیث کو وراثت کے طور پر لیتے ہیں ـ احادیث ، حدیث کی جمع ہے جس کے معنی خبر کے ہیں اور اصطلاح میں معصوم کے قول، فعل ،اور تقریر کو کہتے ہیں۔

ادبی بحث : " من "حرف جر ہے جو "اورثوا" کے متعلق ہے اور تبعیض کے لیے آیا ہے اور احادیث کی صفت ہے۔

البتہ یہ تبعیض امت کے اکثر افراد پر صادق آتا ہے کیونکہ تماما نبیاء کے علوم اور احادیث تمام علماء تک نہیں پہنچتیں بلکہ ہر عالم اپنی استعداد کے مطابق ان سے بہرومند ہوتا ہے۔ لیکن یہ تبعیض انبیاء (ع) کے اوصیاء اور آئمہّ (ع) کے بارے میں صادق نہیں آتی کیونکہ وہ انکے تمام علوم کے وارث ہوتے ہیں۔

علم، بھرہ فراوان :

اسکے بعد امام (ع) اس وراثت کی قدر و منزلت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں " **فمن اخذ بشيء منها فقد اخذ حظاً وافرا**" : (اخذ) یعنی کسی چیز کو لینا اور حاصل کرنا اور یہاں پر اس سے مراد تحصیل اور حاصل کرنا ہے

لغوی بحث : (حظ) یعنی نصیب سہم اور حصہ ۱ (وافر) ۲ زیادہ اور فراوان یعنی اگر کوئی ان احادیث میں سے کم تعداد میں بھی تحصیل اور حفظ کرے تو گویا وہ بہت زیادہ اور فراوان بھرومند ہوا ہے "

البتہ احادیث کا تحصیل اور حفظ کرنا اس صورت میں فراوان بھرومندی کا سبب بنے گا کہ جب درایت اور فہم کے ساتھ ہو اور صرف نقل روایت پر اکتفا نا ہو اگرچہ وہ اپنی جگہ پر ایک بڑی فضیلت ہے لیکن جسے اس حدیث میں "حظ وافر "کہا ہے وہ درایت اور فہم کے ساتھ ہے۔

اس کے بعد امام (ع) نے علم کی تحصیل پر اسکے اہل سے زور دیا ہے آپ فرماتے ہیں: **فانظروا علمکم هذا عمّن تاخذونه**" پس دقّت کرو کہ کس سے علم حاصل کر رہے ہو۔

(انظروا) :اس کا مادہ نظر ہے جس کے معنی گہرائی اور باریک بینی کے ساتھ کسی موضوع پر نگاہ ڈالنا یہ موضوع مادی ہو یا معنوی بصر (آنکھ) کے ساتھ ہو یا بصیرت کے ساتھ ۔ ۳اس بناپر وہ علم جو انبیاء کی میراث ہے اسکی تحصیل دقّت اور تحقیق کے ساتھ ہونی چاہیے یعنی دقّت کرنی چاہیے کہ یہ علم ایسے افراد سے حصل کرے جو حقیقی طور پر انبیاء کے وارث ہوں اور علم کو انھوں نے اسکے اصلی چشمہاور منبع سے حاصل کیا ہو کیونکہ پیغمبر اسلام (ص) کے بعد علم کے دعویدار بہت سے لوگ تھے جن میں سے اکثر اپنی

۱۔ التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، مادہ "حظ "

۲ - مدرک سابق: مادہ "وفر"

۳ -مدرک سابق: مادہ " نظر"

خواہشات کے تابع تھے اور محض دنیاوی اموال کی جمع آوی کے در پے تھے حقیقت میں یہ لوگ شیطان اور نفس امارہ کے پیروکار تھے، پس اس سلسلہ میں کسی بھی قسم کی سستی جائز نہیں ہے۔

علوم الھی کے خزانہ دار :

بنابر این امام (ع) فرماتے ہیں کہ اہل بیت (ع) علوم الہی کے خزانہ دار ہیں : فانّ فینا اہل البیت فی کلّ خلف عدولا"

ادبی بحث : (فینا) خبر انّ ہے جو "عدولا" پر جو انّ کا اسم ہے مقدّم ہے ،تا کہ حصر پر دلالت کرے "اہل بیت" ، یا منصوب ہے، فعل مقدّر "اعنی" سے یا مجرور ہے کہ اس صورت میں ضمیر متکلم "نا" کا بدل ہے۔

لغوی بحث : "خلف" ایسی چیز جو کسی دوسری چیز کے پیچھے آئے اور اسکی جانشین ہو ۱۴ اگر "خ" اور "لام" پر زبر ہو تو اس کے معنی جانشین خیر کے ہیں اور اگر "لام" پر سکون ہو تو اس کے معنی جانشین شرّ کے ہیں، اور یہاں پر مراد جانشین خیر کے ہیں۔

"**عدولا**" یعنی ایسی امت اور گروہ کہ جو میانہ روی سے کام لے ، ہمیشہ ثابت قدم رہے اور سچ اور صداقت کی راہ میں ہمیشہ پائیدار رہے۔

لغوی اور ادبی بحث کے پیش نظر جملہ کا مفہوم یہ ہے : ہمارے درمیان اور ہر بعد میں آنے والی نسل اور صدی میں اہل بیت وہ ثابت قدم اور مستحکم افراد ہیں جو اسرار اور علوم الہی کے مخزن ہیں۔

اہل بیت سے مراد :

روایات اور فقہاء کے نزدیک "اہل بیت" کا تین طرح کا اصطلاحی مفہوم بیان ہوا ہے

۱۔ عرف عام میں : وہی لغوی معنی ہیں جس سے مراد وہ افراد جو "بیت" (گھر) سے منسوب ہوں چاہے یہ بیت مسکن ہو ، یا نسب ہو اسی لیے اگر مہمان بھی تین راتیں انسان کے گھر میں رہے تو اس پر بھی "اہل بیت" کا اطلاق ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول خدا فرماتے ہیں : "اذاکان اللیلۃ الثالثۃ فھو من اھل البیت یا کل ما ادرک" ۵

۲۔ عرف خاص میں : یہ معنی خاص پیغمبر اسلام (ص) کے اہل بیت پر صادق آتے ہیں ، جن سے مراد آپ کے آباؤاجداد ، بیٹے، پوتے ، نواسے ، چچا، اور چچازاد بھائی ہیں ، جب کہا جاتا ہے کہ ہم اہل بیت ہیں کہ ہم پر صدقہ حرام ہے "٦ تو معلوم ہے کہ اس

---

٤ - مقائیس اللغۃ: مادہ "خلف"

٥ - وسائل الشیعہ ج ۲۴، ص ۳۱۳ ح۱)

روایت سے مراد بنی ہاشم ہیں اور کم از کم عصر حاضر میں ان سے مراد حضرت علی (ع)، جعفر، عقیل، اور جناب عباس کی اولاد ہیں۔

مفہوم اخص: صرف اصحاب کساء مراد ہیں جس میں پیغمبر اسلام، علی، فاطمہ اور حسن و حسین شامل ہیں اور یہ وہ چیز ہے جس پر بہت سی روایات دلالت کرتی ہیں ہم یہاں نمونہ کے طور پر اہل سنت کے منابع سے صرف دو روایت نقل کررہے ہیں۔

احمد ابن حنبل اپنی سند سے جناب ام سلمہ سے روایت کرتے ہیں: پیغمبر اسلام (س) نے ایک کساء علی، فاطمہ، حسن اور حسین پر ڈالی اور فرمایا: **اللھم ھؤلاء اھل بیتی و خاصّتی ،اذھب عنھم الرّجس وطھّر ھم تطھیرا** "اسکے بعد ام سلمہ نے کہا یا رسول اللہ کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا: انّکِ علی خیر "یقینا آپ نیکی پر ہیں" ٧

اسکے علاوہ ترمذی، عمر بن ابی سلمہ پیغمبر اسلام (ص) کے سوتلے بیٹے سے روایت کرتے ہیں: جب آیہ تطھیر "**انّما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا**" ٨ جناب ام سلمہ کے گھر میں نازل ہوئی تو پیغمبر اسلام نے فاطمہ، حسن، حسین، کو بلایا علی بھی آپ کے پاس تھے پھر ان سب کو چادر میں لے لیا اور فرمایا: **اللھم ھؤلاء اھل بیتی واذھب عنھم الرّجس وطھّر ھم تطھیرا** "ام سلمہ نے کہا: یا رسول اللہ کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ رسول خدا نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر رہو، اور تم خیر پر ہو" ٩

اس طرح کی روایات اہل سنت اور شیعہ منابع میں تواتر کے ساتھ نقل ہوئی ہیں لیکن اختصار کے پیش نظر صرف ان دو روایت کے نقل پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

اہل بیت (ع) کا وظیفہ:

---

٦ (وسائل الشیعہ ج٩ص ٢٧٠ح٦)

٧ (مسند احمد ابن حنبل ج٦ص ٣٠٤)

٨ : سورہ مبارکہ احزاب آیہ ٣٣

٩ : سنن ترمذی ج٥ ص ٣١

اس کے بعد امام (ع) نے اس علم کی حفاظت کے حوالے سے اہل بیت کے وظیفہ کو بیان کیا اور فرمایا: **ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلينو تاويل الجاهلين**، (اھل البیت (ع) اہل غلو کے ہر طرح کے انحرافات، اہل باطل کے دعوؤں، اور نادان افراد کی تفاسیر کو علم اور میراث انبیاء سے دور کرتے ہیں"

لغوی بحث: (ینفون) مادہ "نفی" سے ہے جس کے معنی رد کرنے اور دور کرنے کے ہیں ۱۰

(تحریف): اس کا مادہ "حرف ہے جس کے معنی کنارہ کشی اور اصلی جگہ سے انحراف ہے، ۱۱اور اس سے مراد درمیانی راستہ اور حداعتدال سے خارج ہونے کے ہیں اور تحریف کے معنی راہ حق سے کنارہ کشی اور اس سے منحرف ہونا ہے۔

(الغالین) اسم فاعل اور جمع کا صیغہ ہے جس کا مفرد "غال" ہے جس کے معنی ایک ایسے شخص کے ہیں جو حد سے تجاوز کرے ۱۲اور غالی وہ افراد ہیں جو اہل بیت (ع) کے بارے میں ایسے خاص عقائد رکھتے ہیں جو خود اہل بیت (ع) بھی اپنے بارے میں نہیں رکھتے جیسے نبوت اور الوہیت

(انتحال) یہ مادہ "نحل "اور باب افتعال سے ہے، جس کے معنی کسی چیز کا دعوی کرنا ہے،

(المبطلین) اسم فاعل، اس کا مادہ "بطل "اور یہ "مبطل "کی جمع ہے جس کے معنی اہل باطل اور باطل کی طرف مائل ہونے والا، جس کے افعال کی کوئی حقیقت نہ ہو کیسے مجسّمہ، قدریہ اور حشویہ۔

(تاویل): اس کا مادہ "اول "ہے جس کا معنی ابتداء ہے، تاویل کے معنی یہ ہیں کہ ابتداء اور اصل کلام کی طرف رجوع کیا جائے ۱۳

تفسیر اور تاویل میں فرق یہ ہے کہ تفسیر لفظ کے مدلول اور اور ادبی اعتبار سے اس کے ظاہری معنی پر دلالت کرتی ہے لیکن تاویل کلام کے اصلی مقصود اور مصداق کو معین کرتی ہے ۱۴

(الجاھلین): "جاہل" کی جمع ہے جس کا مادہ جھل ہے اور اس کے معنی علم کا نا ہونا پس جاہل وہ ہے جس کے پاس علم نا ہو اور نادان ہو۔

---

۱۰ ۔ مقاييس اللغة: مادہ "نفی" التھذیب: مادہ "نفی"

۱۱ ۔ مقاييس اللغة: مادہ "حرف"

۱۲ ۔ مقاييس اللغة: مادہ "غلو"

۱۳ ۔ مفرادات راغب اصفھانی: مادہ "اول"

۱٤ ۔ التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، مادہ "اول"

حدیث کی دلالتیں:

۱۔ پیغمبر اسلام (ص) کی علمی میراث سب سے پہلے اہل بیت (ع) اور ان کے بعد انکے وسیلہ سے انکے ,نائبین (کہ جو خصوصی طور پر (جیسے نوّاب اربعہ) یا عمومی طور پر (جیسے علماء) انکی طرف سے معیّن ہوئے ہیں منتقل ہوئی ہے۔

۲۔ قیامت ,تک زمین حجت خدااور پیغمبر اسلام (ص) کے جانشین سے خالی نہیں ہوگی اوراس چیز پر اہل سنت سے نقل شدہ روایات بھی دلالت کرتی ہیں کہ آپ (ص) نے فرمایا: "**يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله, ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلينو تاويل الجاهلين**"[۱۵]

سوالات:

۱۔ "دخل رسول اللہ (ص) المسجد فاذا جماعة قد اطافوابرجل فقال: ماذا؟فقیل علامه۔۔۔۔"اس عبارت میں

الف: "ماھذا سے کیا مراد ہے؟

ب: "من" استفہامیہ کے بجائے "ما"استفہامیہ سے استفادہ کی علّت بیان کیجیے؟

ج: "علّامة" سے کیا مراد ہے؟اور "ۃ" کس چیز پر دلالت کرتی ہے؟

۲۔ "آیة محکمه "فریضة عادلہ "اور سنة قائمہ "کی وضاحت کیجیے

۳۔ "وذاك انّ الانبیاء لم یورثوادرھماولا دینارا" اس جملہ کی وضاحت کیجیے

۴۔ "**انظروا علمكم هذا عمّن تاخذونه**" میں لفظ "انظروا" کی لفظ اور مفہوم کے اعتبار سے وضاحت کریں

۵۔ اہل بیت کے مختلف معانی بیان کریں

۶۔ "ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلینو تاویل الجاھلین "اس عبارت کے الفاظ اور مفہوم کی وضاحت کریں

مشق:

مندرجہ ذیل احادیث کا سند اور متن کے اعتبار سے جائزہ لیں

---

۱۵ ۔ کنزالعمال ج ۱۰، ص ۱۷۶، ح ۲۸۹۱۸

۱۔ محمد بن اسماعیل، عن الفضل بن شاذان، عن ابن ابی عمیر، عن منصور بن حازم عن ابی عبداللہ (ع) قال: قال رسول اللہ (ص) مجالسۃ اهل الدّین شرف الدّنیا والآخرۃ۔

۲۔ علی بن ابراھیم عن ابیہ، عن القاسم بن محمد الاصبهانی، عن سلیمان بن داؤد المنقری عن سفیان بن عیینہ، عن مسعر بن کدام، قال سمعت ابا جعفر (ع) یقول: لمجلس اجلسہ الی من اثق بہ اوثق فی نفسی من عمل سنۃ؟

۳۔ محمد بن یحیٰی، عن احمد بن محمد بن عیسی، عن حماد بن عیسی، عن حریز، عن زرارۃ و محمد بن مسلم و برید العجلیّ، قالوا: قال ابو عبداللہ (ع) لحمران بن اعین شیء سالہ: انّما یھلک النّاس لانّھم لا یسالون۔

۴۔ علی بن محمد، عن سهل بن زیاد عن جعفر بن محمد الاشعری عن عبداللہ بن میمون القدّاح، عن ابی عبداللہ (ع) قال: قال انّ ھذا العلم علیہ قفل و مفتاحہ المسالۃ۔

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«تیرہواں سبق»

علم کی اہمیت (۲)

M.O.U

www.i-MOU.com

research@almustafaou.com

تفصیل

علم کی اہمیت (۲)

تیسری حدیث:

محمد بن اسماعیل، عن الفضل بن شاذان عن حماد بن عیسی ، عن ربعی بن عبداللہ ، عن ابی جعفر (ع) قال: الکمال، کلّ الکمال التّفقه فی الدِّین والصّبر علی النّائبةِ وتقدیر المعیشةِ۔

اصول کافی ج ا ص ۳۲، ح ۴

لغوی بحث: (التّفقہ) اس کا مادہ "فقہ" جس کے معنی کسی چیز کو دقّت سے سمجھنا ہے، اور اگر یہ باب تفّعل سے ہو تو اس کے معنی "طلب فہم" کے ہیں ا جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: "لیتفقّھوا فی الدِّین" ۲

(النائبہ) ناگوار حوادث ۳

(المعیشۃ) اس کا مادہ "عیش" ہے جس کے معنی زندگی کے وسیلہ کے ہیں۔ ۴

شرح: اس حدیث میں امام محمد باقر (ع) نے مادی اور معنوی لحاظ سے ایک اچھی زندگی کو تین حصوں میں بیان کیا ہے۔

الف: دین میں فقاہت: البتہ یہاں فقاہت سے مراد آج کی رائج اصطلاح نہیں جس کے معنی احکام اور فروعات دین میں مہارت اور قوت استنباط کا ہو، نا ہے، بلکہ یہاں اس سے مراد دینی امور میں صا حب بصیرت ہو، نا چاہے ان امور کا تعلق اعتقادات سے ہو ،اخلاق سے ہو یا پھر احکام سے اور احادیث میں فقہ اسی معنی میں ہے۔

ب: حوادث وواقعات میں بردباری: یعنی ایسے تلخ اور ناگوار واقعات جو کبھی انسان کے سامنے پیش آتے ہیں ان میں بے تابی اور بے صبری کا مظاہرہ نا کرے اور اس قسم کے واقعات سے مقابلے کے لیے انبیاء (ع) اور آئمۃ (ع) کی زندگی کا مطالعہ کرے اور انھیں اپنے لیے نمونہ عمل قرار دے اس لیے کہ وہ مصائب میں صبر و تحمل اور بردباری کا مکمل نمونہ تھے۔

ا ۔ مفرادات راغب اصفھانی: مادہ "فقہ"

۲ ۔ توبہ (۹) آیہ ۱۲۲

۳ ۔ مجمع البحرین، مادہ "نوب"

۴ ۔ مجمع البحرین، مادہ "عیش"

ج: تقدیر المعیشۃ: یعنی اسکی زندگی نظم وضبط اورایک مکمل ٹائم ٹیبل کے ساتھ گزر رہی ہو اور اپنی درآمد کے لیے تلاش و کوشش کرے اور اسے ہر گز فراموش نا کرے اپنی زندگی گزارنے کے لیے درآمد کے سلسلے میں تلاش و کوشش کو اپنا وظیفہ سمجھے کہ روایات میں اس وظیفہ کی انجام دھی کو خدا کی راہ میں جھاد کہا گیا ہے۔چنانچہ آپ نے فرمایا: "**الکاد علی عیالہ کالمجھاد فی سبیل اللہ**"[۵] اپنے اہل وعیال کے لیے تلاش و کوشش کرنے والا خدا کی راہ میں مجاہد ہے "اپنی زندگی کے اخراجات کو اس طرح منظّم کرے کہ نااس میں اسراف و تبذیر ہو اور نا سختی و کنجوسی۔

لہٰذا قرآن کریم نے سورہ مبارکہ فرقان میں "عباد الرحمٰن" کی پانچویں صفت انفاق میں میانہ وری کو بتان کیا ہے ارشاد ہوتا ہے: "**والّذِین اِذا انفقوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما**"[۶] وہ لوگ جب انفاق کرتے ہیں تو اس میں زیادروی نہیں کرتے اور نا ہی سختی کرتے ہیں اور وہ ان دو کے درمیانی راہ پر چلتے ہیں" نیز حضرت امام جعفر صادق (ع) رسول خدا (ص) سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "**من اقتصد فی معیشۃ رزقہ اللہ ومن بذّر حرمہ اللہ**"7

"جو شخص اپنے اخراجات میں میانہ وری سے کام لیتا ہے خدا اسے روزی عطا کرتا ہے اور جو تبذیر کرتا ہے خدا اسے محروم کردیتا ہے"

حضرت امام جعفر صادق (ع) جب اس آیت کی تلاوت کررہے تھے تو آپ نے اپنے ہاتھ میں ایک مٹھی سنگریزے لے لیے اور مٹھی کو سختی سے بند کرلیا اور فرمایا یہ وہی "اقتار" یعنی سختی کرنا ہے،اسکے بعد آپ نے دوسری مٹھی بھری اور پھر پورے ہاتھ کو کھول دیا اور ساری مٹھی زمین پر گرادی اور فرمایا یہ اسراف ہے اسکے بعد تیسری مرتبہ پھر مٹھی بھری اور تھوڑا سا اپنا ہاتھ کھول دیا کہ کچھ مٹی اس کے اطراف سے سے زمین پر گر گئی اور کچھ مٹی ہاتھ میں باقی رہ گئی،ایسے میں آپ نے فرمایا: یہ وہی "قوام" اور اعتدال ہے۔[۸]

---

۵ ۔اصول کافی۔ج ۵ ص ۸۸

۶ ۔ سورہ مبارکہ فرقان آیہ ۶۷

۷ ۔اصول کافی۔ج ۵ ص ۵۴

۸ ۔اصول کافی۔ج ۵ ص ۵۴

چوتھی حدیث:

محمد بن يحيى، عن احمد بن محمد بن عيسى، عن محمد بن سنان، عن اسماعيل بن جابر، عن عبدالله(ع) قال: العلماء امناء والاتقياء حصون والاوصياء سادة" اصول کافی ج۱ص۳۳ح۵

لغوی بحث: (امناء) "امین" کی جمع ہے جس کے معنی ہیں جو کسی چیز کے بارے میں مورد اطمینان ہو۔ جیساکہ رسول خدا، خدا کی رسالت کی نسبت اسکے امین ہیں۹

(الا تقیاء) "تقی" کی جمع ہے اس کا مادہ "وقی" ہے اور اس کے معنی کسی چیز کو اسکے نقصان اور ضرر سے بچانا ہے۱۰ اور یہاں پر مراد وہ شخص جو اپنے آپ کو محرمات الہی سے محفوظ رکھے

(حصون): "حصن" کی جمع ہے جس کے معنی روکنا اور مانع ہونا ہے۔۱۱

(سادۃ): "سید" کی جمع ہے اس کا مادہ "سود" ہے جس کے معنی قوم کا بڑا بزرگ ہے جسکی سب اطاعت کرتے ہیں ۱۲۔

شرح: اس حدیث میں تین گروہ کی اجتماعی اور معاشرتی حیثیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے

پہلا گروہ علماء: علماء کے بارے میں فرمایا: "العلماء امناء" یعنی علماء (معاشرے کے) امین ہیں یعنی خدا نے علوم اور سعادت کو انکے سپرد کیا ہے اور ان سے چاہا ہے کہ وہ انکی حفاظت کریں اور اسے ان کے اہل تک پہنچادیں، وہ مختلف شہروں اور مقامات پر کتاب خدا دین خدا اور خدا کے حلال وحرام کے لوگوں کے درمیان امین ہیں۔ یہ لوگ کتاب خدا کے اٹھانے والے، اسرار الٰہی کے خزانہ دار اور احکام الہی کے محافظ ہیں خدا نے ان کو یہ بلند مقام عطا کیا ہے تاکہ یہ لوگوں کو ضلالت وگمراہی سے نکالیں۔

دوسرا گروہ اتقیاء: اتقیاء کے بارے میں فرمایا: "والا تقیاء حصون" صاحبان تقوی (معاشرہ کے لیے) رکاوٹ اور مانع ہیں۔ اس عبارت کے بارے میں چار احتمال پائے جاتے ہیں۔

۹۔ مجمع البحرین، مادہ "امن"

۱۰۔ مفردات راغب اصفھانی: مادہ "وقی"

۱۱۔ مجمع البحرین، مادہ "حصن"

۱۲۔ مجمع البحرین، مادہ "سود"

۱۔جس طرح سے شہر کی دیوار اس میں داخل ہونے والی آفات و بلیات کے لیے مانع ہے اسی طرح اتقیاء کا وجود معاشرہ پر عذاب نازل ہونے کے مانع ہے۔جیسا کہ پیغمبر اسلام کا وجود بھی خود اسی طرح تھا کہ ارشاد ربّ العزت ہوتا ہے: "وماکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم" ۱۳آپ کی موجودگی میں خدا ہرگز ان پر عذاب نازل نہیں کریگا"

حضرت امام محمد تقی (ع) فرماتے ہیں: "انّ اللہ لیدفع بالمؤمن الواحد عن القریۃ الفناء" ۱۴"خداوند عالم ایک مومن کی برکت سے ایک گاؤں کو نابود ہونے سے بچالیتا ہے"

ایک اور روایت میں حضرت امام جعفر صادق (ع) سے منقول ہے:'لو انّ عبدا بکی فی امۃ لرحم اللہ عزّوجل تلک الامۃ ببکاء ذلک العبد" ۱۵اگر کوئی بندہ کسی امت کے درمیان رہ کر خدا کی بارگاہ میں گریہ وزاری کرے تو خدا اسکے گریہ کی وجہ سے اس امت پر رحم کرتا ہے۔

۲۔دوسرا احتمال یہ ہے کہ اتقیاء شریعت کے نگھبان ہیں کہ جو دین اسلام کو ہر طرح کی تحریف اور انحراف سے بچاتے ہیں

۳۔تیسرا احتمال یہ ہے کہ اتقیاء دین کے محکم قلعے ہیں کہ لوگوں کو چاہیے کہ حوادث اور شبھات کے ظاہر ہونے کے وقت انکی پناہ اختیار کریں اور ان کے سایہ میں اپنے دین کی حفاظت کریں

۴۔چوتھا احتمال یہ ہے کہ اتقیاء کے علم اور تقوی کی وجہ سے شیطان اور اسکے ساتھی ان میں نفوذ نہیں کرسکتے ۱۶

تیسرا گروہ اوصیاء: حدیث کے تیسرے بند میں انکے بارے میں فرمایا ہے: والاصیاء سادۃ" (پیغمبر اسلام (ص) کے جانشین لوگوں کے) سید و سردار ہیں، یہاں اوصیاء سے مراد مطلق اوصیاء نہیں کہ جو کسی بھی طرح وصی ہوں کیوں کہ ہر قسم کے وصی کے لیے اس قسم کے مقام و منزلت کی کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی۔بلکہ اس حدیث میں اوصیاء سے مراد پیغمبر اسلام (ص) کے جانشین یعنی آئمّہ معصومین (ع) ہیں جو لوگوں کے امیر اور سید و سردار ہیں کہ لوگوں پر واجب ہے کہ ان کے فرمان کو دل وجان سے قبول کریں انکے اوامر پر عمل اور انکی نواہی سے اپنے آپ کو روکیں اور ہرگز ان سے آگے بڑھنے کی فکر نا کریں کیونکہ یہ چیز انکی ہلاکت اور انکے دین اور ایمان کی نابودی کا سبب بن جائے گی جیسا کہ رسول خدا (ص) نے اپنی زندگی کے آخری خطبے میں دو گرانقدر چیزوں سے

۱۳۔سورہ انفال آیہ ۳۳

۱۴۔اصول کافی۔ج ۵ ص ۲۴۷

۱۵۔اصول کافی۔ج ۵ ص ۴۸۲

۱۶۔رجوع کریں: شرح اصول کافی ج ص ۳۲

تمسک کرنے کی وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "فلاتقدّموھما فتھلکو ولا تعلموھما فانّھما اعلم منکم "17 ان دو سے سبقت مت کرنا کہ ہلاک ہو جاؤگے اور انھیں تعلیم دینے کی کوشش مت کرنا کہ وہ تم سے زیادہ تعلیم یافتہ ہیں، یہ بات قابل ذکر ہے کہ پیغمبر اسلام (ص) کے جانشین لوگوں پر سیادت و سرداری رکھنے کے علاوہ علم و تقوی میں بھی حدّ کمال پر ہیں بنابر ایں وہ ان علماء کی صف اول میں ہیں جو لوگوں کے امناء ہیں اور ان اتقیاء کے پیشرو ہیں جنکا بابرکت وجود امت کے لیے باعث امنیت اور حفاظت ہے۔

۱۷۔ المعجم الکبیر ج ۳ ص ٦٦

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«چودہواں سبق»

علم کی اہمیت (۳)

M.O.U

www.i-MOU.com

research@almustafaou.com

تفصیل

پانچویں حدیث:

احمد بن ادریس ، عن محمد بن حسّان عن ادریس بن الحسن ، عن ابی اسحاق الکندی ، عن بشیر الدّھان ، قال : قال ابو عبداللہ (ع): لا خیر فیمن لا یتفقه من اصحابنا یا بشیر انّ الرّجل منھم اذا لم یستغنِ بفقھِه احتاج الیھم ، فاذا احتاج اِلیھم ادخلوہ فی بابِ ضلالتھم وھولا یعلم۔

اصول کافی: ج۱، ص ۳۳، ح۶

بحث لغوی (لم یستغن) :اس کا مادہ " غنی" ہے جس کے معنی کافی ہونے کے ہیں[۱]

شرح: حضرت امام جعفر صادق (ع) اپنے ایک صحابی بنام "بشیر دھّان کوفی" سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: لا خیر فیمن لا یتفقه من اصحابنا" ہمارے اصحاب میں سے جو دین میں تفقّہ نا کریں اس میں کسی قسم کی خیر نہیں پائی جاتی ہے۔

خیر یا دنیا میں ہے یا آخرت میں دنیا میں خیر ،راہ سعادت کو طے کرنا اور احکام شریعت پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ اصول دین ومذہب پر اعتقاد رکھنا ہے۔اور آخرت میں خیر ، ابدی سعادت حاصل کرنا انبیاء (ع) کی ہمنشینی اور ہمیشہ جنّت میں رہنا ہے۔اور یہ وہ دوچیزیں ہیں جو معارف اسلامی کی دقیق شناخت اور اسپر عمل کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی ہیں۔اسکے بعد آپ فرماتے ہیں: " **انّ الرّجل منھم اذا لم یستغنِ بفقھِه احتاج الیھم** "اگر شیعوں میں سے کوئی اپنے فقہ کے ذریعہ اپنی ضرویات کو پورا نا کرے تو وہ دوسروں (مخالفین) کا محتاج ہو جائے گا۔ منھم کی ضمیر شیعوں کی طرف اور الیھم کی ضمیر شیعوں کے مخالفین کی طرف پلٹتی ہے" **فاذا احتاج اِلیھم ادخلوہ فی بابِ ضلالتھم وھولا یعلم** "اور اگر دین ومذہب کے مسائل ، حلال وحرام ، اعتقادات اور معارف میں اپنے مخالفین کے محتاج ہو جائینگے تو وہ انھیں بغیر جانیں ضلالت وگمراہی کے راستے پر ڈال دینگے، کیونکہ ان میں تو خود حق و باطل کی شناخت کی صلاحیت نہیں ہے لہٰذا مؤمن کے لیے ضروری ہے کے وہ ہر طرح کی مصلحت اور مفسدہ سے مکمل واقفیت رکھتا ہو تاکہ حق و باطل کی تشخیص دے سکے اور اس بصیرت اور واقفیت کا لازمہ احکام اور معارف اسلامی سے مکمل آگاہی ہے چنانچہ دوسری حدیث میں فرماتے ہیں: " **من اخذ دینه من کتاب اللہ وسنةنبیه صلوات اللہ**

۱۔ مقاییس اللغة: مادہ "غنی"

علیه وآله زالت الجبال قبل ان یزول ،ومن اخذ دینه من افواه الرجال ردّته الرجال" "[2] جو شخص اپنے دین کو کتاب خدااور پیغمبر (ص) کی سنّت سے لے تو پہاڑ متزلزل ہو سکتے ہیں مگر وہ شخص متزلزل نہیں ہوگا لیکن اگر کوئی اپنادین (نادان اور گمراہ) لوگوں کی زبان سے لے تو لوگ اسکا دردااسی کی طرف پلٹا دینگے۔

چھٹی حدیث :

علی بن محمد ،عن سهل بن زیاد عن النوفلی عن السکونی ،عن ابی عبدالله (ع) عن ابانه قال: قال رسول الله (ص) لا خیر فی العیش الاّ لرجلین عالم مطاع او مستمع واع اصول کافی ج۱ص ۳۳ ح ۷

لغوی بحث: (العیش) مادہ "عاش" کا مصدر ہے اس کے معنی زندگی اور حیات ہے

(واع) :مادہ "وعی" کا اسم فاعل ہے اس کے معنی حفظ اور جمع کرنے کے ہیں[3]

شرح: اس حدیث میں رسول خدا (ص) نے زندگی میں خیر کو دو گروہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے آپ فرماتے ہیں: زندگی میں خیر صرف دو گروہوں کے لیے ہے۔ا۔ وہ عالم جس کے فرامین کی اطاعت ہو ۲۔ وہ سننے والا جو بات کو سن کر اسکی حفاظت کرے "عیش" یعنی زندگی چاہے وہ زندگی دنیاوی ہو ، یااخروی،زندگی میں خیر سے مراد یعنی حق پر بغیر کسی اضطرب اور پریشانی کے استقامت اور ,پائیداری ہے کہ انسان ,نااپنے نفس کا ,پابند ہو اور ,نا شیطان کااور صرف اپنے دینی اور شرعی وظیفہ پر عمل کرے اور اپنے دین کی حفاظت کرے, اوراخروی زندگی سے مرادح ٰداوند متعال کے قرب کا حصول اور جنّت کی نعمتوں کو پا, نا ہے۔ان دو زندگی میں سعادت صرف دو گروہ کے لیے میسر ہے

ا۔ عالم مطاع: ایسا عالم کہ جس نے خود راہ راست کی طرف ہدا,یت ,پائی اور لوگ بھی اس کے اوامر کی اطا عت کرتے ہیں اور اسکی بات کو سنتے ہیں

۲۔ مستمع واع: یعنی وہ طالب علم جو استاد کے درس میں حاضر ہو اور اپنے پورے وجود کے ساتھ اپنے استاد کی بات سنے اور بھرپور انداز میں معارف الہی، عقائد،احکام اور اخلاق سے اپنے وجود کو مالامال کرلے اور دل جان سے انکی حفاظت کرے۔اور جو بھی ان دو گروہ سے نا ہو تو گویا اس نے اپنی پوری عمر گمراہی اور بے ہودہ وقت گزارنے میں صرف کردی۔ جیساکہ حضرت علی (ع)

---

۲ ۔ شرح اصول کافی: مازندرانی ج ۲،ص ۳۴

۳ ۔ مجمع البحرین: مادہ "وعی"

فرماتے ہیں: النّاس ثلاثة: فعالم ربّاني ومتعلم على سبيل نجاة وهمج رعاء اتباع كل ناعق ،يميلون مع كل ريح، لم يستضيئوا بنور العلم ولم يلجؤوا الى ركن وثيق۔ "لوگوں کے تین گروہ ہیں :۱۔ عالم ربّانی ۲۔ راہ نجات کا متعلّم ۳۔ وہ افراد جو مچھر کی طرح ہمیشہ ہوا اور طوفان کی زد میں ہیں اور سرگردان ہیں اور ہر بلانے والے کی آواز پر چل پڑتے ہیں اور ہوا کے رخ پر حرکت کرتے ہیں انھوں نے نا نور کی روشنی سے فائدہ اٹھایا اور نا ہی اپنے لیے کسی محکم ٹھانے کا بندوبست کیا۔[4]

ساتویں حدیث :

علی بن ابراهيم ،عن ابيه ،عن ابن ابی عمير ،ومحمد بن يحيى، عن احمد بن محمد عن بن ابی عمير۔ عن سيف بن عميرة عن ابی حمزة، عن ابی جعفر (ع) قال: عالم ينتفع بعلمهِ افضل من سبعين الف عابد۔ اصول کافی ج۱ص ۳۳ ح۸

لغوی بحث: (ينتفع) اس کا مادہ نفع ہے اسکی ضد ضرر (نقصان) ہے اور اسکے معنی خیر ,یا ایسی چیز ہے جو انسان کو اسکے مطلوب تک پہنچاتی ہے۔[5]

شرح: یہ حدیث عالم کی برتری کو عابد پر بیان کرتی ہے "ارشاد ہوتا ہے: "وہ عالم جو اپنے علم سے فائدہ اٹھائے ستر ہزار عابدوں سے بہتر ہے۔

نکات:

۱۔ عالم کی عابد پر برتری کی علّت یہ ہے کہ علم کے وسیلہ سے انسان کی زندگی فضائل نفسانی سے آراستہ اور رذائل اخلاقی سے پاک ہو جاتی ہے،اسکے وسیلہ سے دین مقدس کے اوامر ونواہی کو جانتا ہے اور ان پر عمل کرتا ہے کہ ہر سعادت کی بنیاد صرف یہی ہے علم ہی کے سایہ میں سیاہی و تاریکی نورانیت وروشنی، نادانی و جہالت، بصیرت وروشن فکری اور گمراہی وضلالت ہدایت وکامیابی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

---

۴ ۔ نہج البلاغہ : حکمت ۱۴۷

۵ ۔ مصباح اللغۃ: مادہ "نفع"

۲۔عالم کے عابد پر برتری کی دوسری علّت یہ ہے کہ عابد کی اگر عبادت کا کوئی فائدہ ہو تو وہ صرف عابد کو ہوتا ہے اور دوسروں کو اس سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا لیکن عالم خود بھی اور دوسرے افراد بھی اسکے علم سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔

۳۔عالم کی یہ برتری وفضیلت اس عابد کی نسبت ہے جس عابد نے اپنی پوری زندگی عبادت اور خدا سے راز و نیاز میں گزاری ہو کہ وہ دن میں روزے رکھتا ہو اور رات کو نماز شب میں گزارتا ہو ،نا اس پر کہ جس نے اپنی زندگی صرف واجبات پر عمل کرنے میں گزاری ہو۔

۴۔عالم کی برتری عابد پر اس صورت میں ہے کہ جب وہ اپنے علم پر عمل کرنے میں دوسروں کی نسبت پیش پیش ہو "عالم ینتفع بعلمہ۔۔۔۔"

۵۔اس حدیث یہ استفادہ ہوتا ہے کہ عالم یقینا عابد پر برتری رکھتا ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ صرف حدیث میں ذکر شدہ تعداد پر ہی برتری رکھتا ہے بلکہ ممکن ہے کہ ستر ہزار کا عدد مبالغہ اور کثرت کے لیے ہو کہ جنھیں شمار نہیں کیا جا سکتا،

آٹھویں حدیث :

الحسین بن محمد ،عناحمد بن اسحاق عن سعدان بن مسلم ،عن معاویہ بن عمّار قال :قلت بابی عبداللہ (ع) رجل راویہ لحدیثکم یبث ذلک فی النّاس ویشدّدہ فی قلوبھم وقلوب شیعتکم ولعلّ عابدا من شیعتکم لیست لہ ھذہ الروایۃ ایّھما افضل ؟ قال :الروایہ لحدیثنا یشدّبہ قلوب شیعتنا افضل من الف عابد۔ اصول کافی ج ۱ص ۳۳ح ۹

لغوی بحث : (راویۃ) :کامادہ "روی" ہے جس کے معنی حمل کے ہیں "روی البعیر الماء : حملہ "اسی لیے وہ چوپائے جو پانی حمل کرتے ہیں انھیں "راویہ" کہا جاتا ہے یعنی حمل کرنے والا اور علمی اصطلاح میں ہر وہ خبر جو نقل کے ذریعہ ایک ناقل سے دوسرے ناقل تک یہاں تک کہ پیغمبر اسلام (ص) یا معصومین (ع) میں سے کسی ایک تک بھی پہنچ جائے تو اسے روایت کہتے ہیں[۶] اور اس کے نقل کرنے والے کو "راوی" کہتے ہیں یہاں "الروایۃ" کی "ۃ" کثرت اور کثیر الروایہ پر دلالت کرتی ہے۔

(یبث) :اس کا مادہ "بثّ" ہے جس کے معنی نشر کرنے کے ہیں[۷]

---

۶ ۔ مجمع البحرین : مادہ "روی"

۷ ۔ مصباح المنیر : مادہ "بث"

(یشدّد)اس کامادہ (شدد) ہے جس کے معنی عالی درجے کی قوت ہےاور ہر چیز میں اسکے لحاظ سے مختلف ہے۔[8]

(شرح)اس حدیث میں معاویہ بن عمّار حضرت امام جعفر صادق (ع) سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کر رہے ہیں جو ان خصوصیات کامالک ہے: ایک ایسا شخص جوآپ کی روایات بہت زیادہ نقل کرتا ہےاورانھیں لوگوں کے درمیان منتشر کرتا ہے ،اوراپنی تمام تر توانائی کے ساتھ انھیں لوگوں اور خاص طور پر شیعوں کے دلوں میں اتارتا ہے،اور ممکن ہے کہ یہ کام عابدوں میں سے کوئی ایک عابد بھی انجام نادیتا ہو،بتایئے ان دونوں میں سے کون افضل ہے؟ حدیث کاراوی یا عابد؟

امام (ع) نے جواب دیا وہ شخص جو ہماری روایات کوزیادہ نقل کرتا ہےاوران کے ذریعہ ہمارے شیعوں کے قلوب کو محکم واستوار کرتا ہےاوران کو دین اور حق کی راہ میں پائیدار رکھتا ہے ہزار عابدوں سے بہتر ہے

نکات

اس حدیث میں حدیث کے راوی کی فضیلت کوایک ہزار عابدوں کے برابر جانا گیا ہےاور گذشتہ حدیث میں عالم کی فضیلت کو ستر ہزار عابدوں کے برابر کہاگیا ہے، ممکن ہے ہزار عابدوں کے برابر ہونے والی حدیث اس چیز کی طرف اشارہ کررہی ہو کہ یہ فضیلت اس صورت میں ہے جب حدیث کاراوی عالم ناہو اور ستر ہزار عابدوں کے برابر وہ راوی ہے جبکہ وہ عالم ہو۔

۲۔اگرچہ حدیث کے نشر کرنے سے متعلق معاویہ بن عمّار کاسوال عام لوگوں کے درمیان تھا چاہے وہ شیعہ ہوں یا غیر شیعہ ، لیکن امام (ع) نے یہ ثواب صرف اس صورت میں بیان فرمایا ہے کہ جب نشرحدیث شیعوں کے درمیان ہو۔اور ممکن ہے اسکی علّت یہ ہو کہ امام (ع) نے سوال کے قرینہ یااختصار کی وجہ سے دوسرے لوگوں کے درمیان حدیث کے نشرکے بارے میں کچھ نہیں فرمایا، یا پھر ممکن ہے کہ اسکی علّت یہ ہو کہ اسکی جو کچھ فضیت ہے وہ اس وقت ہے جب حدیث کو شیعوں میں نشر کیا جائے نا تمام لوگوں میں کیونکہ ممکن ہے کہ بعض اوقات تقیہ کی وجہ سے دوسرے لوگوں کے درمیان حدیث معصومین (ع) کا نشر کرنا حرام ہو۔[9]

---

۸ ۔التحقیق فی کلمات القرآن الکریم: مادہ "شد"

۹ ۔ رجوع فرمائیں: شرح اصول کافی،مازندرانی: ج۲ص۳۶۔ ۳۷

سوالات

۱۔ تقدیر المعیشۃ کو قرآن اور سنّت کی روشنی میں بیان کیجیے

۲۔ "العلماء امناء والا تقیاء حصون والاوصیاء سادۃ" اس حدیث کے الفاظ کی وضاحت کیجیے

۳۔ "والا تقیاء حصون" اس عبارت میں پائے جانے والے مختلف احتمالات کو بیان کیجیے

۴۔ "والاوصیاء سادۃ" اس عبارت میں "اوصیاء" سے کیا مراد ہے؟

۵۔ "لا خیر فیمن لایتفقہ من اصحابنا یا بشیر انّ الرّجل منھم اذالم یستغنِ بفقھِہِ احتاج الیھم، فاذااحتاج اِلیھم ادخلوہ فی بابِ ضلالتھم وھولایعلم" اس حدیث میں

الف: خیر سے کیا مراد ہے؟

ب: "منھم" اور "الیھم" کے مرجع ضمیر کو بیان کیجیے

ج: حدیث کا واضح اور روشن الفاظ میں ترجمہ کیجیے

٦ "لا خیر فی العیش الّا لرجلین عالم مطاع او مستمع واع" اس حدیث کی لغوی او مفہوم کے اعتباع سے وضاحت کیجیے

۷۔ عالم کی عابد پر برتری کی علّت بیان کریں

۸۔ "الروایۃ لحدیثنا۔۔۔' میں لفظ روایہ کے لغوی معنی بیان کیجیے

۹۔ "عالم ینتفع بعلمہِ افضل من سبعین الف عابد" "الروایہ لحدیثنا یشدّبہ قلوب شیعتنا افضل من الف عابد" مندرجہ دو عبارتوں کے فرق کو بیان کریں اور یہ بتائیں کہ اس فضیلت کے فرق کی کیا علّت ہے؟

مشق:

مندرجہ ذیل احادیث کا سند اور متن کے لحاظ سے جائزہ لیں؛

۱۔ محمد بن یحییٰ، عن احمد بن محمد بن عیسی، عن محمد بن سنان، عن ابی الجارود، قال: سمعت ابا جعفر (ع) یقول: رحم اللہ عبدا احیا العلم۔ قال: قلتّ وما احیاؤہ؟ قال: ان یذاکر بھا ھل الدّینِ واھل الورعِ۔

۲۔ محمد بن یحییٰ، عن احمد بن محمد عن عبداللہ بن محمد الحجّال، عن بعض اصحابہ، رفعہ قال: قال: رسول اللہ (ص): تذاکرو اوتلاقوا وتحدّثوا، فانّ الحدیث جلاء للقلوب، انّ القلوب لترین کما برین السّیف جلاؤھاالحدیث۔

۳۔ عدّة من اصحابنا، عن احمد بن محمد بن خالد، عن ابیہ، عن فضالة بن ایّوب، عن عمر بن ابان عن منصور الصّیقل قال: سمعت ابا جعفر (ع) یقول: تذاکر العلم دراسة والدّراسة صلاة حسنة۔

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«پندرہواں سبق»

لوگوں کی اقسام

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

لوگوں کی اقسام

پہلی حدیث:

علی بن محمد ، عن سهل بن زیاد و محمد بن یحیی، عن احمد بن محمد بن عیسی۔ جمیعا ، عن ابن محبوب ، عن ابی اسامه ، عن هشام بن سالم ، عن ابی حمزة، عن ابی اسحاق السّبیعی، عمّن حدّثه ممّن یوثق به قال: سمعت امیر المؤمنین (ع) یقول :انّ النّاس آلوا بعد رسول الله (ص) الی ثلاثة : آلوا الی عالم علی هدی من الله قد اغناه الله بما علم عن علم غیره ،وجاهل مدّع للعلم لا علم له معجب بما عنده قد فتنته الدّنیا وفتن غیره ومتعلّم من عالم علی سبیل هدی من الله ونجاة ثمّ هلک من ادّعی وخاب من افتری۔ اصول کافی ج۲ص ۳۳،ح۱

لغوی بحث: (آلوا) : اس کا مادہ "آل، یؤول" ہے جس کے معنی رجوع کرنا ہے۔۱ (اغنی) : اس کا مادہ "غنی" ہے جس کے معنی کفایت (کافی ہونا) ہے (فتّنتہ) اس کا مادہ "فتن" ہے جس کے اصلی معنی ابتلاء اور اختبار کے ہیں جیسے "فتنت الذھب بالنّار" ۲ لیکن یہاں پر اس سے مراد "گمراہ کرنا" ہے۔۳

شرح: اس حدیث میں حضرت علی (ع) نے رسول خدا (ص) کے بعد لوگوں کی اقسام کو بیان کیا ہے۔آپ فرماتے ہیں لوگ رسول خدا (ص) کے بعد تین گروہ میں تقسیم ہوگئے

۱۔ پہلے گروہ کے بارے میں فرماتے ہیں: آلوا الی عالم علی هدی من الله قد اغناه الله بما علم عن علم غیره ؛لوگوں کا ایک گروہ وہ علماء ہیں جو ہدایت الٰہی پر ہیں اور خدا نے انکے علم کے وسیلہ سے ان کو دوسروں کے علم سے بے

---

۱ ۔مصباح المنیر: مادہ "اول"

۲ ۔ مقاییس اللغۃ: مادہ "فتن"

۳ ۔ رجوع فرمائیں: شرح اصول کافی ج ۲ ص ۴۰، الوافی ج ۱ ص ۱۵۲

نیاز کر دیا ہے۔" **علی ھدی**" کی عبارت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ ہدایت پر تسلط رکھتے ہیں جس طرح سے جب کوئی کسی سواری پر سوار ہوتا ہے تو وہ اس پر مسلط ہوتا ہے

اور اس پر قابو پالیتا ہے۔

"**اغناہ اللہ**" کی تعبیر اس چیز کو بیان کرتی ہے کہ اس کا علم کسبی نہیں بلکہ خداوند متعال کا عطیہ ہے، یقیناً اس گروہ سے مراد آئمہ معصومین (ع) ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنکے علم کے سب محتاج ہیں مگر وہ کسی کے علم کے محتاج نہیں ہیں۔ جیسا کہ رسول خدا (ص) نے فرمایا: "**لا تعلّموھم فأنّھم اعلم منکم**"[۴]

۲۔ دوسرے گروہ کے بارے میں فرماتے ہیں: **وجاھل مدّع للعلم لا علم له معجب بما عندہ قد فتنته الدّنیا وفتن غیرہ**" یہ نادان لوگ ہیں جو ظاہر میں علم کے دعویدار ہیں لیکن حقیقت میں انکے پاس علم نام کی کوئی چیز نہیں، یہ اپنے ظاہر کی وجہ سے عجب و غرور کا شکار ہوگئے ہیں "دنیا نے انھیں اپنے فریب میں لے لیا اور انھیں مال دنیا اور جاہ طلبی میں مبتلا کر دیا ہے یہ گمراہ ہیں دنیا نے انھیں گمراہ کر دیا ہے اور انھوں نے دوسروں کو، یہ وہ دشمنان اہل بیت (ع) جھنوں نے جان بوجھ کر اہل بیت (ع) کو چھوڑ دیا اور اپنی ذاتی رای پر عمل کیا۔

۳۔ امام (ع) نے تیسرے گروہ کے بارے میں فرمایا: **متعلّم من عالم علی سبیل ھدی من اللہ ونجاۃ**

یہ وہ طالب علم ہیں جو ہدایت الہی اور نجات کے لیے ایسے علماء اور دانشوروں کے پیروکار ہیں جو ہدایت یافتہ اور اہل نجات ہیں جی ہاں! یہ اہل بیت (ع) کے وہ شیعہ اور پیروکار ہیں کہ جو عذاب آخرت اور دنیاوی فتنوں سے نجات کا تنہا راستہ اہل بیت (ع) کی اطاعت اور پیروی کو جانتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے حق میں حضرت علی (ع) دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"رحم اللہ عبدا سمع حکما فوعی، ودعی الی رشاد فدنی، واخذ بحجزۃ ھاد فنجی۔"[۵] خدا رحمت کرے اس شخص پر کہ جب حکیمانہ کلام سنے تو اسے اچھی طرح حفظ کرے اور اگر ہدایت کی طرف اسکی رہنمائی کی جائے تو اسے قبول کرے اور ہدایت کرنے والے سے وابستہ ہو کر نجات یافتہ ہو جائے۔

۴۔ المعجم الکبیر ج۵ ص ۱۶۷

۵۔ نہج البلاغہ: خطبہ ۷۶

اسکے بعد امام (ع) نے آخر میں دوسرے گروہ کے انجام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "**ثــمّ هللــک مـــن ادّعی وخاب من افـتری** "وہ جس نے علم کا دعوی کیا اور حقیقت میں وہ عالم نہیں تھا اس نے اپنے آپ کو نابودی کے دہانے پر لا کر کھڑا کر دیا وہ رحمت خدا اور شفاعت پیغمبر اسلام (ص) سے بھی مایوس ہو گیا ہے۔

نکات

۱۔ نجات اور کامیابی کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ ا ساتذہ اور علماء کے سامنے زانوئے ادب طے کیا جائے ,تا کہ راہ ہدا یت کو ضلالت اور گمراہی سے پہچانا جاسکے

۲۔ ہدایت اور کامیابی خدا، رسول کے بارے میں علم اور تمام ان چیزوں کے اقرار پر متوقف ہے جو خدا نے انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجی ہیں، اور یہ علم صرف ان لوگوں کے وسیلہ سے حاصل ہونا چاہیے جو خدا کی طرف سے تائید یافتہ ہوں۔

دوسری حدیث:

الحسین بن محمد الاشعری ، عن معلّی بن محمد ، عن الحسن بن علی الوشاء ، عن احمد بن عائذ ، عن ابی خدیجه سالم بن مکرم ، عن ابی عبدالله (ص) قال: النّاس ثلاثة عالم ومتعلم وعناء۔ اصول کافی ج۱ ص ۳۴، ح ۲

لغوی بحث: (غثّ اء) ہر وہ ہلکی چیز جس کی قدر و قیمت اور اہمیت کم ہو جائے اور اپنی اصلی حا لت سے خارج ہو جائے کہ اب اسکی طرف کسی قسم کا تمایل باقی نہ رہے اور قابل استفادہ نہ ہو۔ جیسے درخت سے گرے ہوئے خشک پتّے اور اسی طرح وہ کم اہمیت چیزیں جنکی پستی کی وجہ سے انھیں کوئی اہمیت نہیں دیتا اور کیونکہ اپنے مقام کو کھو بیٹھی ہیں اور اس قدر ہلکی ہیں کہ ہوا اور طوفان انھیں آسانی سے اِدھر ادھر لیے پھرتے ہیں ۱۶ اسی لیے پانی پر ابھرنے والے جھاگ کو جو انھیں عناصر سے تشکیل پاتا ہے "غثّاء" کہتے ہیں

شرح: حضرت امام جعفر صادق (ع) نے اس حدیث میں گذشتہ حدیث کی طرح انسانوں کو تین گروہ میں تقسیم کیا ہے

۶۔ التحقیق فی کلمات القرآن الکریم: مادہ "غنی"

۱۔ پہلا گروہ ان علماء اور دانشوروں کا ہے جن کی فضیلت اور مقام و منزلت کے بارے میں احادیث بہت زیادہ ہیں اور انکی فضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ قرآن نے ان کے بارے میں فرمایا: "**ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون**"۷ اس آیت میں استفہام انکاری کے ذریعہ علماء کا غیر علماء کے برابر نا ہونے کو بیان کیا ہے۔

۲۔ دوسرا گروہ ان افراد پر مشتمل ہے جو علم ودانش کے طلبگار ہیں اور پہلے گروہ کے شاگرد ہیں۔

۳۔ تیسرا گروہ ان افراد پر مشتمل ہے جو نا علماء ہیں اور نا طالب علم بلکہ ایسے فرومایہ انسان ہیں جنکی مثال اس خار وخاشاک کی سی ہے جو سیلاب کے بہاؤ کے ساتھ بہے رہے ہیں ان کے پاس نا کوئی ھدف ہے اور نا کمال پر پہنچنے کا کوئی پروگرام بلکہ جس طرف بھی ہوا چلتی ہے یا سیلاب کا رخ ہے یہ اسی سمت چل پڑتے ہیں۔ انھیں "غثاء" سے تعبیر کیا گیا ہے جس طرح سے خار وخاشاک ہوا یا سیلاب کی ہلکی سی بھی حرکت سے اپنا رخ بدل لیتے ہیں یہ افراد بھی ہلکے سے شبھہ سے ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہو جاتے ہیں ان کے عقائد کی بنیادیں کمزور ہو جاتی ہیں، ہر روز نئے پرچم تلے دکھائی دیتے ہیں اب رہی یہ بات کی یہ افراد کون ہیں اور علماء، طلّاب، اور غثاء کے مصادیق کون ہیں یہ چیز بعد والی حدیث میں روشن ہو جائے گی۔

۷۔ رمز آیہ ۹

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«سولہواں سبق»

لوگوں کی اقسام (۲)

M.O.U

www.i-MOU.com

research@almustafaou.com

تفصیل

تیسری حدیث:

علی بن ابراهیم ،عن محمد بن عیسی، عن یونس ، جمیل ،عن ابی عبدالله (ع) قال: سمعته یقول :النّاس علی ثلاثة اصناف: عالم متعلم وغثاء؛فنحن العلماء وشیعتنا المتعلمون وسائر النّاس غثاء۔

اصول کافی ج۱ص ۳۴ح ۴

لغوی بحث:

(یغدوا) مادہ غدو کا فعل مضارع ہے "غدا، یغدو، غدوا" نماز صبح اور طلوع آفتاب کے درمانی وقت کو کہتے ہیں ۱۱صل میں اس کے معنی تغییر و تبدیلی کے ہیں جس کے بہت سے مصادیق ہیں نماز صبح اور طلوع آفتاب کا درمانی وقت اس کے مصادیق میں سے ایک ہے۔۲

(شیعتنا) :اس کا مادہ "شیع" ہے جس کے دو معنی ہیں،ا۔تعاون اور مدد کرنا ۲۔پھیلنا اور منتشر ہونا، ۳"شیعہ" تابعین اور انصار کو بھی کہا جاتا ہے۔

شرح: گذشتہ حدیث میں علم کے اعتبار سے لوگوں کی اقسام کو بیان کیا جو تین قسمیں ہیں ا۔عالم ۲۔متعلّم ۳۔غثاء اور وہ افراد کہ جو علم و عمل میں ثبات قدم نہیں رکھتے بلکہ وہ ہر روز ایک نئی سمت جاتے ہیں۔اس حدیث میں امام (ع) نے گذشتہ تین گروہ کو بیان کرنے کے علاوہ ان کے مصادیق کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔آپ فرماتے ہیں: علماء سے مراد ہم ہیں اور متعلّمین سے مراد ہمارے شیعہ ہیں اور باقی تمام لوگ غثاء ہیں۔

جیساکہ لغوی بحث میں گذر چکا ہے کہ شیعہ کے معنی ,تابع اور پیروکار کے ہیں،اہل بیت کے ,تابعین اور پیروکاروں کو شیعہ کہا جاتا ہے،تمام شیعہ اور بہت سے اہل سنّت اس بات پر یقین رکھتے ہیں،فیروزآبادی ماہر لغت کہتے ہیں: "یہ نام (شیعہ) ہر اس شخص

ا۔مصباح المنیر: مادہ "غدو"

۲۔التحقیق فی کلمات القرآن الکریم: مادہ "غدو"

۳۔مقاییس اللغۃ: مادہ "شیع"

پر جو اہل بیت (ع) کی ولا یت کو قبول کرے غلبہ پا گیا ہے یہاں تک کہ ان کا اسم خاص بن گیا ہے۔"[۴] یہ شجرہ طیّبہ پیغمبر اسلام (ص) کے زمان ہی میں پھل دار ہو گیا تھا اور سلمان، ابوزر غفّاری، مقداد بن اسود، اور عمّار یاسر اسی نام سے مشہور تھے، پہلی مرتبہ پیغمبر اسلام نے حضرت علی (ع) کے پیروکاروں کو اس نام سے پکارا، جیسا کہ حضرت امام محمد باقر (ع) جناب امِّ سلمہ سے نقل فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا ہے: علی وشیعتہ ھم الفائزون یوم القیامۃ"[۵] علی اور اس کے شیعہ قیامت کے دن کامیاب ہیں۔

چوتھی حدیث:

محمد بن یحیی، عن عبداللہ بن محمد، عن علی بن الحکم، عن علاء بن رزین، عن محمد بن مسلم، عن ابی حمزہ الثمالی، قال: قال لی ابو عبداللہ(ع) اغد عالما او متعلما او احبّ اھل العلم، ولا تکن رابعا؛ فتھلک ببغضھم۔

اصول کافی ج۱، ص۳۴، ح۳

لغوی بحث: (اغدوا) "غدا یغدو اغدوا" کا فعل امر ہے یعنی تمھیں صبح ایسے کرنی چاہیے

شرح: گذشتہ حدیث میں لوگوں کو تین گروہ عالم، متعلّم اور فرومایہ افراد میں تقسیم کیا گیا ہے اب اس حدیث میں مؤمنین کو یہ حکم دیا جارہا ہے کہ وہ مندرجہ ذیل تین حالتوں میں سے خارج نہ ہوں۔

۱۔ یا وہ عالم ہوں کہ جس نے علم و عمل اور کمال انسانی کے مراحل کو طے کر لیا ہو۔

۲۔ یا متعلّم ہوں اور علم و عمل اور کمال انسانی کے مراحل کو طے کرنے میں مشغول ہوں۔

۳۔ یا پھر اہل علم، عالم اور متعلّم کو دوست رکھتے ہوں

مؤمنین میں سے کوئی بھی ان تین حالتوں سے خارج نہ ہو کیونکہ چوتھا گروہ چاہتے ہوئے یا ناچاہتے ہوئے بھی ان تین گروہ کا دشمن ہوگا اور مذکورہ تین گروہ کی دشمنی اور بغض کا انجام ہلاکت ہے اور یہ ہلاکت دینا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی، دنیا میں اہل علم سے دشمنی یا کم از کم ان سے دوری کی وجہ سے عقائد، احکام، اخلاق اور تمام انسانی فضائل کو سیکھنے سے محروم رہے گا اور اس

۴۔ قاموس المحیط: مادہ "شیع"

۵۔ شرح الاخبار۔ ج۳ ص ۴۵۴

طرح رزائل اخلاقی اور جہل و نادانی کے سمندر میں ڈوب جائے گا جسکے نتیجہ میں وہ انسانی کمالات تک نہیں پہنچ سکتا ہے اور آخرت میں بھی وہ رحمت الٰہی اور جنّت میں اولیاء الٰہی کی ہم نشینی سے دور رہے گا اور آخرت کے عذاب الیم میں گرفتار ہو جائے گا۔

سوالات:

۱۔ اس عبارت "آلوا الی عالم علی هدی من الله قد اغناه الله بما علم عن علم غیره" میں " علی هدی " اور "اغناه الله " سے کس نکتہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔؟ اور اس کا مصداق کون ہے؟

۲۔ اس عبارت " وجاهل مدّع للعلم لا علم له معجب بما عنده قد فتنته الدّنیا وفتن غیره "کے مصداق کی وضاحت کیجیے۔

۳۔ " متعلّم من عالم علی سبیل هدی من الله ونجاة" کے مصداق کی وضاحت کریں

۴۔ علماء کی فضیلت کے بارے میں قرآن سے ایک آیت بیان کریں اور اسکا ترجمہ لکھیں

۵۔ "غثاء " سے کیا مراد ہے؟ لفظی اور مفہومی لحاظ سے اس کے معنی کیجیے

۶۔ اس عبارت "یغدو الناس علی ثلاثة اصناف " میں لفظ "یغدوا" کی وضاحت کریں

۷۔ لفظ شیعہ کی مفہوم، مصداق اور تاریخ کے اعتبار سے وضاحت کریں

مشق:

درج ذیل احادیث کا سند اور متن کے لحاظ سے جائزہ لیں۔

۱۔ علی بن ابراهیم ، عن محمد بن عیسی، بن عبید، عن یونس بن عبدالرحمٰن ، عمّن ذکره، عن ابی عبدالله (ع) قال: قام عیسی ابن مریم (ع) خطیبا فی بنی اسرائیل فقال: یا بنی اسرائیل لا تحدّثوا الجهّال بالحکمة فتظلموها ولا تمنعوها اهلها فتظلموهم۔

۲۔ محمد بن یحییٰ، عن احمد وعبدالله ابنی محمد بن عیسی ، عن علی بن الحکم ، عن سیف بن عمیرة، عن مفضل بن یزید، قال: قال لی ابو عبدالله (ع) انهاک عن خصلتین فیهما هلاک الرّجال، انهاک ان تدین الله بالباطل وتفتی النّاس بما لا تعلم۔

۳۔ علی بن ابراهیم ، عن محمد بن عیسی بن عبید، عن یونس بن عبدالرحمٰن ، عن عبدالرحمٰن بن الحجّاج، قال: قال لی ابو عبدالله (ع) ایّاک وخصلتین ففیهما هلک من هلک، ایّاک ان تفتی النّاس برایک او تدین بما لا تعلم۔

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«سترہواں سبق»

عالم اور متعلّم کی جزا

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

عالم اور متعلّم کی جزا

پہلی حدیث:

محمد بن الحسن وعلی بن محمد ، عن سهل بن زياد ومحمد بن يحيى، عن احمد بن محمد جميعا ، عن جعفر بن محمد الاشعری ، عن عبدالله بن ميمون القدّاح و علی بن ابراهيم عن ابيه ، عن حمّاد بن عيسى ، عن القدّاح ، عن ابی عبدالله (ع) قال: قال رسول الله (ص) من سلک طريقا يطلب فيه علما سلک الله به طريقا الی الجنّة، وانّ الملائكة لتضع اجنحتها لطالب العلم رضا به وانّه يستغفر لطالب العلم من فی السّماء ومن فی الارض حتّی الحوت فی البحر ، وفضّل العالم علی العابد كفضل القمر علی سائر النّجوم ليلة البدر ، وانّ العلماء ورثة الانبياء انّ الانبياء لم يورّثوا دينارا ولا درهما ، ولكن ورّثوا العلم ، فمن اخذ منه اخذ بحظٍّ وافر۔ اصول کافی ج ۱ ص ۳۴، ح ۱

لغوی بحث:

(سلک) فعل ماضی ثلاثی مجرّد ہے اس کا مادہ "سلوک" ہے جس کے معنی راستہ میں نفوذ کرنا [1] اور ایک معیّن خط پر راستہ چلنا ہے چاہے حرکت کے ذریعہ ہو یا عمل کے ذریعہ یا پھر عقیدہ کے ذریعہ [2]

(تضع): وضع کا فعل مضارع ہے اور "رفع" کی ضد ہے جس کے معنی کسی چیز کو نیچے لانا اور زمین پر رکھنا ہے۔

شرح: یہ حدیث تین حصوں پر مشتمل ہے۔ [3]

طلّاب کی جزا:

پہلا حصہ: اس حصہ میں رسول خدا (ص) نے طالب علموں کے لیے تین قسم کی جزا کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۱۔ مفردات راغب اصفہانی: مادہ "سلک"
۲۔ التحقیق فی کلمات القرآن الکریم مادہ "سلک"
۳۔ مقاییس اللغۃ: مادہ "وضع"

پہلی جزا: جنّت؛اس سلسلہ میں رسول خدا (ص) نے فرمایا: "**من سلک طریقا یطلب فیه علما سلک الله به طریقا الی الجنّة**" جو شخص ایسی راہ کا انتخاب کرے جس میں علم حاصل کرے تو خداوند متعال اس کی ایسی راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے جو جنّت کی طرف جاتی ہو۔

یہاں دو نکتہ قابل توجہ ہیں:

۱۔ طریق علم نکرہ اور مطلق آیا ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے یعنی، ہر وہ راہ جو علم پر منتہی ہوتی ہو چاہے یہ علم علماء کے محضر میں شرفیابی کے بعد حاصل ہو یا کتابوں اور کتابخانہ میں تلاش اور جستجو کے بعد

۲۔ وہ علم کہ جس کے حصول کے لیے اگر انسان تلاش و کوشش کرے تو خدا اسکی جنت کی طرف رہنمائی کرتا ہے تو یقینا یہ علم دین ،خدا شناسی، معارف اسلامی اور احکام الٰہی کا علم ہے۔

دوسری جزا: فرشتوں کا تواضع؛اس مورد میں بھی رسول خدا (ص) فرماتے ہیں: "**وانّ الملائکة لتضع اجنحتها لطالب العلم رضا به**؛طالب علم کے لیے فرشتے زمین پر اپنے پر بچھاتے ہیں (تا کہ وہ ان پر چلے) اور وہ اس پر راضی وخوشنود ہیں۔"

طالب علم کے لیے فرشتوں کے پر پھیلانے کے سلسلے میں تین احتمال پائے جاتے ہیں۔

۱۔ فرشتوں کے پر پھیلانے سے مراد طالب علم کے سامنے ان کا تواضع کرنا ہے، جیسا کہ خدا نے پیغمبر اسلام (ص) سے فرمایا: "**واخفض جناحک للمومنین**"[۴] یعنی مؤمنین کے ساتھ مہربانی اور فروتنی کے ساتھ پیش آیئے۔اسی طرح فرزند سے والدین کی نسبت کہا گیا ہے۔"**واخفض جناح الذلّ من الرحمة**"[۵] "یعنی والدین کے ساتھ مہربانی اور فروتنی کے ساتھ پیش آؤ۔

۲۔ ملائکہ کے پر پھیلانے سے مراد یہ ہے کہ وہ پرواز چھوڑ کر علم کی مجلس میں آجاتے ہیں

۳۔ ملائکہ کے پر پھیلانے سے مراد یہ ہے کہ وہ علمی مجلس پر سایہ فگن رہتے ہیں۔

---

۴ ۔ سورہ حجر آیہ ۸۸

۵، سورہ اسراء آیہ ۲۴

تیسری جزا: تمام موجودات کا استغفار کرنا: اس سلسلے میں رسول خدا (ص) فرماتے ہیں: **وانّه یستغفر لطالب العلم من فی السّماء ومن فی الارض حتّی الحوت فی البحر** " جو کچھ زمین وآسمان میں ہے وہ سب کے سب طالب علم کے لیے طلب مغفرت کرتے ہیں یہاں تک کہ پانی میں رہنے والی مچھلیاں

لفظ " من " یہاں فقط ذوی العقول کے لیے نہیں آیا ہے بلکہ باب تغلیب کے لیے " لفظ " من " سے استفادہ کیا گیا ہے بلکہ اس سے مراد زمین وآسمان کی تمام مخلوق ہے یہاں تک کے پانی کی مچھلیاں۔ کہ جنکی اپنی خود کوئی آواز نہیں ہے۔

دوسرا حصہ: عالم اور عابد کا فرق:

حدیث کے اس حصہ میں عالم اور عابد کے درمیان فرق کو بیان کیا گیا ہے آپ فرماتے ہیں: " **وفضل العالم علی العابد کفضل القمر علی سائر النّجوم لیلة البدر** " عالم عابد پر اسی طرح برتری رکھتا ہے جس طرح چودھویں کا چاند تمام ستاروں پر برتری رکھتا ہے "

نکات:

۱۔ عالم کو چاند سے تشبیہ دی کیونکہ چاند کی روشنی اپنی نہیں ہوتی بلکہ سورج سے ہوتی ہے پس یہاں عالم سے مراد وہ عالم ہے نہیں جس کا علم لدنی ہے بلکہ وہ عالم ہے جس کا علم اکتسابی ہے، علم لدنی انبیاء اور آئمہ (ع) کا علم ہوتا ہے اگر عابد اور انبیاء کے فرق کو بیان کیا جاتا تو پھر سورج اور ستاروں سے تشبیہ دی جاتی نا چاند اور ستاروں سے

۲۔ عابد کو ستاروں سے تشبیہ دی ہے کیونکہ ستاروں کی روشنی اپنے آپ سے تجاوز نہیں کرتی لیکن چاند کی روشنی اگرچہ اپنی نہیں ہوتی مگر پھر بھی رات کی تاریکی میں وہ زمین کو اپنی محدود روشنی سے ایک حد تک روشن رکھتا ہے

۳۔ عابد کو ستاروں سے تشبیہ شاید اس وجہ سے دی ہے کہ ممکن ہے کہ عالم کی غیر موجودگی میں ستارہ اپنی چمک دمک سے رات کی تاریکی میں بھٹکے ہوئے مسافروں کو راہ دکھائے مگر چاند کے آتے ہی ستارے گم ہو جاتے ہیں پس عالم کے ہوتے ہوئے عابد اپنا کوئی کردار ادا نہیں کر سکتا اسی وجہ سے عالم عابد پر برتری رکھتا ہے۔

تیسرا حصہ: علماء انبیاء کے وارث ہیں:

حدیث کے اس حصہ میں علماء کے معاشرتی، دینی اور ہدایت گری کے پہلو پر روشنی ڈالی ہے، آپ فرماتے ہیں: وانّ العلماء ورثة الانبیاء انّ الانبیاء لم یورّثوا دینارا ولا درهما، ولکن ورّثوا العلم، فمن اخذ منه اخذ بحظٍّ وافر " یقینا علماء انبیاء کے وارث اور جانشین

ہیں،انبیاءاپنی میراث میں درہم ودینار نہیں چھوڑتے بلکہ انکی میراث علم ہوتا ہےاور جو اس میں سے کچھ لینے میں کامیاب ہو جائے تو گویا اس نے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے۔

حدیث کے اس حصہ کی وضاحت پانچویں سبق کی دوسری حدیث کے ذیل میں کی جاچکی ہے۔

دوسری حدیث:

محمد بن يحيى، عن احمد بن محمد ، عن الحسن بن محبوب ، عن جميل بن صالح عن محمد بن مسلم عن ابي جعفر (ع) قال: انّ الّذى يعلم العلم منكم له اجر المتعلم وله الفضل عليه فتعلّموا العلم من حملة العلم وعلموه اخوانكم كما علّمكموه العلماء۔ اصول کافی ج ا ص ۳۵ ح ۲

شرح: اس حدیث کے پہلے حصہ میں علم کے معلم اور اساتذہ کی جزا کو علم کے متعلّم کی جزا کے مثل قرار دیا ہے آپ فرماتے ہیں: "**انّ الّذى يعلم العلم منكم له اجر المتعلم**" (ہمارے شیعوں) تم میں سے جو لوگ دوسروں کو علم کی تعلیم دیتے ہیں ان کی جزا ایسے ہی ہے جیسے علم کے متعلّم کی۔

نکات:

ا۔اس معلم کو جزا ملے گی جو اہل بیت (ع) کے شیعوں میں سے ہوگا (اس بات کو منکم سے واضح کیا)

۲۔ عالم اور متعلّم کی جزا کو اس لیے مساوی قرار دیا کیونکہ تعلیم و تعلم ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں اور ان میں سے ایک دوسرے کی نسبت اصالت نہیں رکھتا اور یہ جو تعلیم کا تعلم کے ساتھ مقائسہ کیا گیا ہے اسکی وجہ یہ ہے۔ا۔ تعلیم تعلّم کے اوپر متوقف ہے ۲۔اس کے علاوہ یہ چیز متعلّمین کے لیے ترغیب کا باعث ہے۔ ۳۔ تعلم تعلیم سے زیادہ سخت ہے۔اور کیونکہ "**افضل الاعمال اشقّها**" ہے لہٰذا اس مقائسہ میں تعلّم کو اصل قرار دیا گیا ہے،اور کیونکہ معلم درحال حاضر علم جیسی فضیلت اور کمال سے مالا مال ہے اور حق تعلیم وتربیت رکھتا ہے اس لیے حدیث کے دوسرے حصہ میں فرمایا: "**وله الفضل عليه**" معلم متعلّم پر ایک برتری رکھتا ہے۔[٦]

---

٦ رجوع فرمائیں : شرح اصول کافی :ملا صالح مازندرانی ج ۲ ص ۵۲

البتہ کیونکہ ہر زمانے میں بے عمل افراد جو صاحب علم اور عالم ہونے کے دعویدار ہیں اور لوگوں کے ایمان کو خراب کرتے ہیں بہت زیادہ ہیں لہٰذا حدیث کے تیسرے حصہ میں ان لوگوں کو استاد ہونے کے لائق جانا ہے جو حقیقت میں حاملان علم الٰہی ہیں۔

آپ (ع) فرماتے ہیں: "**فتعلّموا العلم من حملة العلم**" علم کو اسکے حاملانِ حقیقی سے لو۔

حاملان علم یعنی حاملان علم الٰہی اور معدن اسرا اور معارف الٰہی یعنی اہل بیت (ع) ہیں چنانچہ حضرت امام جعفر صادق (ع) سے اس آیت "**هل یستوی الذین یعلمون والّذین لا یعلمون**" [7] کے ذیل میں روایت نقل ہے آپ فرماتے ہیں: **نحن الذین یعلمون ، وعدوّنا الّذین لا یعلمون ،وشیعتنا اولوالالباب**" ہم وہی لوگ ہیں جو جانتے ہیں اور ہمارے دشمن وہ لوگ ہیں جو نہیں جانتے اور ہمارے شیعہ اولوالالباب ہیں۔ [8]

آخر میں امام (ع) نے طالب علموں کے وظیفہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اپنے دینی بھائیوں کو تعلیم دیں "**وعلّموا اخواتکم کما علّمکموه العلماء**؛ جس طرح سے علماء نے تمھیں علم سیکھایا ہے اسی طرح سے تمھیں چاہیے کہ تم اپنے دوسرے بھائیوں کو تعلیم دو۔

نکات:

۱۔ تعلیم و تعلم کا حکم دیتے وقت صیغہ فعل امر سے استفادہ کیا گیا ہے جو ان دونوں کہ وجوب پر دلالت کرتا ہے کیونکہ فعل امر کا ظاہر وجوب پر دلالت کرتا ہے تعلم کا واجب ہونا گذشتہ مباحث سے واضح ہو چکا ہے اور تعلیم کا واجب ہونا بھی ان روایت سے بخوبی روشن ہو جاتا ہے جو یہ بیان کرتی ہیں کہ علم کے چھپانے پر عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے

طلحہ بن زید؛ نے حضرت امام جعفر صادق (ع) سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "**قرات فی کتاب علی(ع) انّ الله لم یاخذ علی الجهال ،عهدا بطلب العلم حتی اخذ علی العلماء عهدا ببذل العلم للجهّال ،لانّ العلم کان قبل الجهل**۔

"میں نے کتاب علی (ع) میں پڑھا ہے کہ خداوند متعال نے جہلا اور نادان افراد سے اس وقت تک تحصیل عل کا اقرار نہیں لیا جب تک کہ علماء سے یہ اقرار نا لیا کہ وہ انھیں تعلیم دیں گے اس لیے کہ علم جہل سے پہلے موجود تھا۔

۷۔ سورہ زمر آیہ ۹

۸۔ مجمع البیان: ج ۸ ص ۳۸۹

۲۔اس عبارت "کما علّمکموہ العلماء" کے معنی میں چند احتمال پائے جاتے ہیں، کہ ان میں سے دو احتمال کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

الف: "کاف" تعلیل کے لیے ہے یعنی جس دلیل کے تحت تمھیں علماء نے تعلیم دی ہے تم بھی اپنے دینی بھائیوں کو اسی دلیل کے تحت تعلیم دو۔

ب: "کاف" تشبیہ کے لیے ہے، یعنی علماء اور اپنے اساتذہ کی طرح تعلیم دو مکمل تعلیم و تعلم کے آداب کی رعایت کے ساتھ۔

عالم اور متعلّم کی جزا:

تیسری حدیث:

علی بن ابراھیم ،عن احمد بن محمد البرقی ،عن علی بن الحکم ،عن علی بن ابی حمزۃ ،عن ابی بصیر قال :سمعت اباعبداللہ (ع) یقول: من علّم خیرا فلہ مثل اجر من عمل بہ قلت: فانّ علّمہ غیرہ یجری ذلک لہ؟ قال: انّ علّمہ النّاس کلّھم جری لہ قلت :فان مات؟ قال:وان مات۔ اصول کافی ج۱، ص۳۵،ح۳

شرح: ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق (ع) کو کہتے سنا ہے کہ " من علّم خیرا فلہ مثل اجر من عمل بہ؛"جو کسی کو نیک کام کی تعلیم دے تو اس کی جزا بھی اس شخص جیسی ہو گی جو اس علم پر عمل کرے،

یعنی نیک کام کی تعلیم دینے والے کی جزا تمام ان افراد کی جزا جتنی ہے جو اس پر عمل کر رہے ہوں چاہے عمل کرنے والا شخص اس معلم کا شاگرد ہو یا کوئی دوسرا فرد۔

ابو بصیر کہتے ہیں میں نے پوچھا: اگر وہ شاگرد اس علم کو کسی اور کو تعلیم دے اور اس شاگرد کا شاگرد اس علم پر عمل کرے تو کیا اس شاگرد دوم کے عمل کی جزا معلم اوّل کے لیے بھی باقی رہے گی یا نہیں؟

حضرت امام جعفر صادق (ع) نے جواب دیا: "انّ علّمہ النّاس کلّھم جری لہ" اگر وہ اسی طرح تمام لوگوں کو بھی تعلیم دے دے تو اس کا ثواب معلم اول کے لیے باقی رہے گا۔

ممکن ہے کہ اس ثواب اور جزا کی علت یہ ہو کہ وہ معلم اول اس خیر کی پیدائش اور اس کے پھیلنے کا سرچشمہ تھا اسی لیے جو بھی اس خیر پر عمل کرے تو اس کے لیے اسکے اپنے ثواب اور اجر کے علاوہ اس خیر پر عمل کرنے والے ہر شخص کے ثواب اور اجر کے برابر بھی اسے ثواب اور اجر دیا جائے گا۔

ابو بصیر نے پھر دوبارہ امام (ع) سے سوال کیا، اور اگر معلم اول کا انتقال ہو جائے ؟ تو کیا مرنے کے بعد بھی وہ اس خیر پر عمل کرنے والوں کے ثواب سے بہرہ مند ہو گا ؟ امام (ع) نے جواب دیا، "وان مات ؛ اگرچہ وہ مر جائے۔ تب بھی وہ اس خیر پر عمل کرنے والوں کے ثواب سے بہرہ مند ہو گا کیونکہ ثواب ملنے کی شرط اور سبب زندگی نہیں ہے، بلکہ اس کا سبب خیر کا پھیلنا ہے اور وہ اس کے مرنے کے بعد بھی جاری ہے

اس حدیث سے استفادہ ہوتا ہے کہ معلم اول گویا ایک ایسی سنّت کی بنیاد رکھنے والا ہے کہ جب تک اس سنّت پر عمل ہوتا رہے گا تو اسکا اجر اور ثواب بھی اس کی بنیاد رکھنے والے کو ملتا رہے گا، البتہ جس طرح انسان سنّت حسنہ کے ثواب سے بہرہ مند ہوتا ہے بالکل اسی طرح اگر وہ کسی بدعت یا بری سنّت کی بنیاد رکھے تو اسی طرح جتنے لوگ بھی اس بدعت یا بری سنّت پر عمل کریں گے تو ان سب کا عذاب اور سزا بھی اسے ملے گی جیسا کہ آنے والی حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«اٹھارہواں سبق»

عنوا

M.O.U

www.i-MOU.com

research@almustafaou.com

تفصیل

حدیث چہارم

وبھذا الاسناد ،عن محمد بن عبدالحمید ،عن العلاءبن زرین عن ابی عبیدۃ الحذاء عن ابی جعفر (ع) قال : من علّم باب ھدی فلہ مثل اجر من عمل بہ ولا ینقص اولئک من اجورھم شیئاًومن علّم باب ضلال کان علیہ مثل اوزار من عمل بہ ولا ینقس اولئک من اوزارھم شیئاً۔ اصول کافی ج ا ص ۳۵ ،ح ۴

لغوی بحث :

(ضلال) : مادہ ضلّ کا مصدر ہے جس کے معنی راہ مستقیم سے عدول کرنا ہے، ہدایت کی ضد ہے[۱] (اوزار) "وزر" کی جمع ہے جس کے معنی ایسی سنگینی کے ہیں جو کسی پر حمل ہو "اس کے مصادیق میں سے پہاڑ ہے جو زمین پر حمل ہوتا ہے، اور "گناہ" ہے جو انسان کی گردن پر حمل ہوتا ہے[۲]

ہدایت کرنے والے معلم کا اجر:

شرح: ابو عبیدہ حذاء حضرت امام محمد باقر (ع) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "**من علّم باب ھدی فلہ مثل اجر من عمل بہ؛** جو شخص دوسروں کو راہ ہدایت دکھائے اس کا اجر اسی شخص کی مانند ہوگا جو اس ہدایت پر عمل کرے گا"

" باب ھدی" یعنی ہدایت تک پہنچنے کا راستہ اور اس کا سب سے بہترین مصداق "صراط مستقیم" ہے کہ جس کے بارے میں ہر مسلمان ہر روز کم از کم دس مرتبہ اپنی نماز میں اسکی طرف ہدایت کی دعا مانگتا ہے "اھدنا الصراط المستقیم" ہماری سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرما[۳]" صراط مستقیم ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر نعمتیں نازل کی گئیں "**صراط الذین انعمت علیھم**" "انکی راہ جن پر تو نے نعمتیں نازل کیں"[۴]

---

۱ ۔ مفردات راغب اصفہانی: مادہ "ضل"

۲ ۔ التحقیق فی کلمات القرآن الکریم: مادہ "وزر"

۳ ۔ سورہ حمد آیہ ٦

۴ ۔ سورہ حمد آیہ ۷

قرآن کی نگاہ میں وہ لوگ جن پر نعمتیں نازل کی گئیں ، نبیین ، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں " **ومن یطع اللہ والرّسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقیین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا**" [۵] وہ جو خدا اور اسکے رسول کی اطاعت کرے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر خدا نے اپنی نعمتیں نازل کیں جو نبیین صدقیین ، شہداء اور صالحین ہیں اور یہ لوگ کیا ہی اچھے دوست ہیں

اس آیت کے دوسرے مصداق پیغمبر اسلام (ص) اور اہل بیت (ع) ہیں حضرت امام جعفر صادق (ع) فرماتے ہیں "**قول اللہ عزوجل فی الحمد** " **صراط الذین انعمت علیھم** " یعنی محمد (ص) اور انکی زریت ہیں (صلوات اللہ علیہم) [۶]

اس کے بعد امام محمد باقر (ع) ایک سوال مقدر کا جواب دیتے ہوئے کہ شاید کسی کے ذہن میں یہ بات ابھرے کہ جب نیکی پر عمل کرنے والوں کی جزا کی مانند نیکی کے معلم کو بھی جزادی جائے گی تو ممکن ہے کہ عمل کرنے والوں کی جزا کم ہو جائے تو آپ نے اسی کا جواب دیتے ہوئے فرمایا : "**ولا ینقص اولئک من اجورھم شیئا**؛ نیکی پر عمل کرنے والوں کی جزا میں سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز کم نہیں ہوگی۔

اگر عمل کرنے والوں کی جزا اور اجر میں سے کوئی چیز کم نہیں ہوتی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے فرمایا ہے : "**وانّ اللہ لا یضیع اجر المؤمنین** " [۷] اور فرمایا: **انّ اللہ لا یضیع اجر المحسنین**" [8] اور اگر نیک عمل کرنے والوں کا سا اجر اسکے معلم کو بھی دیا جاتا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ انکی ہدایت و رہنمائی اس معلم کا کام ہے اور اگر کوئی تھوڑا سا بھی عمل انجام دے گا تو اسکو اسکا اجر ضرور ملے گا۔ " **فمن یعمل مثقال ذرّۃ خیرا یرہ**" [۹]

گمراہی وضلالت کے معلم کا گناہ:

اس کے بعد امام (ع) نے اس شخص کے گناہ کی طرف اشارہ کیا جو لوگوں کو گمراہی اور ضلالت کی تعلیم دیتا ہے۔

---

۵ ۔ سورہ مبارکہ نساء آیہ ۶۹

۶ ۔ بحار الانوار : ج ۱۰ ص ۶۱

۷ ۔ سورہ مبارکہ آل عمران آیہ ۱۷۱

۸ ۔ سورہ مبارکہ توبہ (۹) آیہ ۱۲۰

۹ ۔ سورہ مبارکہ : زلزلہ (۹۹) آیہ ۷

آپ فرماتے ہیں: " **ومن علّم باب ضلال کان علیه مثل اوزار من عمل بـه**؛ جو شخص دوسروں کو گمراہی اور ضلالت کی تعلیم دیتا ہے، اس کی سزا اس شخص کی سی ہے جس نے اس گمراہی اور ضلالت پر عمل کیا۔

" باب ضلال " یعنی گمراہی اور ضلالت تک پہنچنے کا راستہ، اور ان گمراہ لوگوں کا راستہ کہ جس سے محفوظ رہنے کی ہر مسلمان ہر روز ہر نماز میں کم از کم دس مرتبہ دعا کرتا ہے " **غیر المغضوب علیهم ولا الضّالّین** "[۱۰] مندرجہ ذیل افراد ان کے مصادیق ہیں:

۱۔ کافر: جیسا کہ حضرت علی (ع) فرماتے ہیں: "**کلّ من کفر باللّٰه فهو المغضوب علیهم ولا الضّا لین** "[۱۱]

۲۔ غالی: جیسا کہ حضرت امام رضا (ع) فرماتے ہیں: **مـن تجـاوز بـأمیر المـؤمنین بالعبودیـة فهـو مـن المغضـوب علیهم ومن الضّا لین** "[12]

۳۔ یھودی اور عیسائی: حضرت علی (ع) نے " **غیر المغضوب علیهم** " کی تفسیر کے ذیل میں فرمایا: " **هم الیهـود الـذین قال اللّٰه فـیهم** : " **مـن لعنـه اللّٰه وغضـب علیـه** "[13] اور ولاالضـاّلین " کی تفسیر کے ذیل میں فرمایا؛ "**وهم النصاری الذین قال اللّٰه فیهم** "۔۔۔**قد ضلّوا مِن قَبل واضلّوا کثیرا)** "[۱۴] "[۱۵]

۴۔ ناصبی اور امام (ع) کے منکر: اس سلسلہ میں حضرت امام جعفر صادق (ع) فرماتے ہیں: " **المغضـوب علیهم** " النّصاب، و(الضّالین): **الشکاک الذین لا یعرفون الامام** "[16]

یادآوری: گمراہی اور ضلالت کے معلم کا گناہ اس گمراہی اور ضلالت پر عمل کرنے والے جیسا ہے اور یہ ظلم نہیں، کیونکہ گمراہی اور ضلالت پر عمل کرنے والے کی گمراہی و ضلالت اسکے معلم کی تعلیم کا نتیجہ ہے" **فمن یعمل مثقال ذرّة خیرا یره** " امام محمد باقر (ع) نے ایک بار پھر ایک سوال مقدر کا جواب دیتے ہوئے کہ شاید کسی کے ذہن میں یہ بات ابھرے کہ جب گمراہی اور

۱۰۔ سورہ مبارکہ حمد (۱) آیہ ۷

۱۱۔ بحار الانوار: ج ۲۵ ص ۲۷۴

۱۲۔ نور الثقلین: ج ا، ص ۲۵

۱۳۔ سورہ مبارکہ مائدہ (۵) آیہ ۶۰

۱۴۔ سورہ مبارکہ مائدہ (۵) آیہ ۷۷

۱۵۔ بحار الانوار: ج ۲۵ ص ۲۷۴

۱۶۔ نور الثقلین ج ا ص ۲۴

ضلالت کے معلم کاگناہ اس گمراہی اور ضلالت پر عمل کرنے والے جیسا ہے تو ممکن ہے کہ عمل کرنے والے کہ سزا کم ہو جائے تو آپ نے اسی کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: "ولا ینقص اولئک من اوزارھم شیئا؛ گمراہی اور ضلالت پر عمل کرنے والے کی سزا میں سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز کم نہیں ہو گی۔ اور یہ کہ گمراہی اور ضلالت کے معلم کاگناہ اس گمراہی اور ضلالت پر عمل کرنے والے جیسا ہے تو یہ چیز اس آیت " ولا تزر وازرۃ وزراخری "کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ گمراہی اور ضلالت پر عمل کرنے والے کی گمراہی و ضلالت اسکے معلم کی تعلیم کا نتیجہ ہے لہٰذا وہ جس مصیبت اور بلا میں گرفتار ہے وہ کسی اور کے عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ خود اسکے اپنے کیے کا نتیجہ ہے، بنا بر ایں ہدایت کی راہ کے معلّم کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جس نے اپنے ورثہ میں سنّت حسنہ کو چھوڑا ہے اور گمراہی اور ضلالت کے معلم کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے بری سنّت کو اپنے ورثہ میں چھوڑا ہے۔ جیسا کہ حدیث نبوی میں وارد ہے کہ آپ (ص) نے فرمایا: "من سنّ فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجر ھا واجر من عمل بھا بعدہ من غیر ان ینقص من اجورھم شیء ؛ومن سنّ فی الاسلام سنۃسیّیۃ ، کان علیہ وزرھا ووزر من عمل بھا بعدہ من غیر ان ینقص من اوزارھم شیء[17]

"اگر کوئی شخص اسلام میں ایک سنت حسنہ کی بنیاد رکھے تو اسے اس کا اجر ملے گا اور اسکے علاوہ اس سنت پر عمل کرنے والے شخص جتنا بھی ثواب ملے گا اس طرح سے کے جس نے اس سنت پر عمل کیا ہے اس کے ثواب میں سے کوئی چیز بھی کم نہیں ہو گی۔ اسی طرح جو شخص اسلام میں ایک بری سنّت کی بنیاد رکھے تو اسے اس کی سزا ملے گی اور اسکے علاوہ اس سنت پر عمل کرنے والے شخص جیسی سزا بھی ملے گی اس طرح سے کے جس نے اس سنت پر عمل کیا ہے اس کی سزا میں سے کوئی چیز بھی کم نہیں ہو گی۔

سوالات:

۱۔ رسول خدا (ص) کی نگاہ میں طالب علم کے کسی بھی تین اجر کی طرف اشارہ کریں

۲۔ اس عبارت " انّ الملائکہ لتضع اجنحتھا لطالب العلم " میں فرشتوں کے پر پھیلانے کی وضاحت کریں

۱۷۔ صحیح مسلم: ج ۳۔ ص ۸۷

۳۔اس عبارت: " وفضّل العالم علی العابد کفضل القمر علی سائر النّجوم لیلة البدر " سے استفادہ ہونے والے نکات کو بیان کریں۔

۴۔اس عبارت: " : انّ الّذی یعلم العلم منکم له اجر المتعلم " سے استفادہ ہونے والے نکات کو بیان کیجیے۔

۵۔اس عبارت " فتعلّموا العلم من حملة العلم " میں ' حملة العلم ' سے کیا مراد ہے اسکی وضاحت کریں

٦۔اس عبارت کما علّمکموہ العلماء " میں کاف کے بارے میں پائے جانے والے ممکنہ احتمالات کو بیان کریں۔

۷۔مندرجہ ذیل حدیث کی مختصر وضاحت کیجیے

عن ابی بصیر قال: سمعت اباعبدالله (ع) یقول: من علّم خیرا فله مثل اجر من عمل به قلت: فانّ علّمه غیرہ یجری ذلک له؟ قال: انّ علّمه النّاس کلّهم جری له قلت: فان مات؟ قال: وان مات

۸۔اس عبارت " من علّم باب هدی فله مثل اجر من عمل به ولا ینقص اولئک من اجورهم شیئا " کے پیش نظر

الف: " باب هدی " کی مفہوم اور مصداق کے حوالے سے وضاحت کریں

ب: (قرآنی آیت کی روشنی میں) عمل کرنے والوں کی جزا کے کم نا ہونے کی علّت کو بیان کریں

ج: (قرآنی آیت کی روشنی میں) معلم کو عمل کرنے والوں کی جزا کے برابر کیوں جزا دی جاتی ہے؟

۹۔اس عبارت "من علّم باب ضلال کان علیه مثل اوزار من عمل به " کے پیش نظر

الف: " باب ضلال " کی مفہوم اور مصداق کے حوالے سے وضاحت کریں

ب: کس دلیل کی بنیاد پر گمراہی اور ضلالت کے معلم کا گناہ اس گمراہی اور ضلالت پر عمل کرنے والے جیسا ہے اور یہ ظلم نہیں (قرآنی آیت کی روشنی میں بیان کریں)

ج: کیا معلم گناہ کا گنہگاروں کے عمل میں شریک ہونا قرآن کی اس آیت " ولا تزر وازرة وزر اخری " کے منافی نہیں ہے؟

مشق:

مندرجہ احادیث کا سند اور متن کے اعتبار سے جائزہ لیں۔

ا۔ علی بن ابراہیم، عن احمد بن محمد بن خالد عن حماد بن عیسی، عن حریز بن عبداللہ، عن محمد بن مسلم عن ابی عبداللہ (ع) قال: اذا سئل الرّجل منکم عمّا لا یعلم فلیقل لا ادری ولا یقل: اللہ اعلم فیوقع فی قلب صاحبہ شکّاً واذا قال المسئول لا ادری فلا یتّھمہ السائل۔

۲۔ علی بن ابراہیم، عن ابیہ، عن ابن ابی عمیر، عن یونس بن عبدالرّحمٰن عن ابی یعقوب اسحاق بن عبداللہ، عن ابی عبداللہ، عن ابی عبداللہ (ع) قال: انّ اللہ خصّ عبادہ بآیتین من کتابہ ان لا یقولوا حتّی یعلموا ولا یردّوا مالم یعلموا و قال عزّوجلّ: "الم یوخذ علیھم میثاق الکتاب ان لا یقولوا علی اللہ الّا الحق" و قال: "بل کذّبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولمّا یاتھم تاویلہ"

۳۔ علی بن ابراہیم، عن محمد بن عیسی، عن یونس بن داوٗد بن فرقد، عمّن حدّثہ، عن ابن شبرمہ، قال ماذکرت حدیثاً سمعتہ عن جعفر بن محمد (ع) الّا کادان یتصدّع قلبی، قال: حدّثنی ابی عن جدّی عن رسول اللہ (ص) قال ابن شبرمہ: واقسم باللہ ما کذب جدّہ ولا جدّہ علی رسول اللہ (ص) قال: قال رسول اللہ (ص) من عمل بالمقاییس فقد ھلک واھلک و من افتی النّاس بغیر علم وھو لا یعلم النّاسخ من المنسوخ والمحکم من المتشابہ فقد ھلک واھلک۔

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«انیسواں سبق»

عالم اور متعلّم کا اجر

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

عالم اور متعلّم کا اجر

پانچویں حدیث:

الحسین بن محمد ،عن علی بن محمد بن سعد رفعه ،عن ابی حمزه ،عن علی بن الحسین (ع) قال: لو یعلم النّاس ما فی طلب العلم لطلبوه ولو بسفک المهج و خوض اللجج؛ انّ الله تبارک و تعالی اوحی الی دانیال انّ امقت عبیدی الیّ. الجاهل المستخفّ بحقّ اهل العلم ؛ التّارک للاقتداءبهم وانّ احبّ عبیدی الیّ ،التّقی الطّالب للثّواب الجزیل اللازم للعلماء التّابع للحکماء القابل عن الحکماء

اصول کافی ج ۱ ص ۳۵ ح ۵

لغوی بحث: (سفکٔ) بہانا اور سرازیر ہونا، زیادہ تر خون بہانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے [1] (المھج) یہ "المھجّة" کی جمع ہے جس کے معنی خون قلب یا روح کے ہیں [2] کہ جس کے بہانے کے بعد انسان کی جان بھی باقی نہیں رہتی۔ (خوض) داخل ہونا [3] (اللجج) یہ "اللجہ" کی جمع ہے جس کے معنی بہت زیادہ پانی کے ہیں [4] (امقت): یہ مادہ "المقت" کا افعل التفضیل ہے جس کے معنی شدید بغض کے ہیں [5] (الجزیل): یہ مادہ "جزل" کا صفت مشبھہ ہے جسکے معنی بڑے اور فراوانی کے ہیں [6]

حصول علم کی فضیلت:

شرح: اس حدیث میں حضرت امام زین العابدین (ع) حصول علم کی فضیلت کے بارے میں فرماتے ہیں: : لو یعلم النّاس ما فی طلب العلم لطلبوه ولو بسفک المھج وخوض اللجج "اگر لوگ جان لیتے کہ حصول علم میں کتنا ثواب ہے تو تو پھر اسے ہر صورت میں حاصل کرتے چاہے اس سلسلہ میں انھیں اپنا خون دل بہانا پڑتا یا گہرائیوں میں اترنا پڑتا

۱۔ التحقیق فی کلمات القرآن: مادہ "سفکٔ"
۲۔ مجمع البحرین: مادہ "منہج"
۳۔ التحقیق فی کلمات القرآن: مادہ "خوض"
۴۔ تاج العروس: مادہ "لجج"
۵۔ لسان العرب: مادہ "مقت"
۶۔ مجمع البحرین: مادہ "جزل"

نکات:

ا۔ "لو یعلم" سے مراد مکمل علم ہے ورنہ تمام لوگ ایک حد تک علم کی برکتوں اور اسکے آثار سے واقف ہیں،

۲۔ " ما فی طلب العلم" (ما) موصولہ ہے جس کے معنی وہ شرافت و کمال اور منافع ہیں جو علم میں پوشیدہ ہیں، یہ ابہام گوئی ان مقامات عالیہ کی عظمت پر دلالت کرتی ہے، اور وہ افراد اس مقام کو سمجھتے ہیں کہ جو علم کے شیدائی ہوں اور ان معارف کے حصول کی راہ میں کسی قسم کی تلاش و کوشش سے دریغ نا کریں۔

۳۔ " سفک المھج" اس کے معنی اس خون کا بہانا ہے جو موت کا سبب بن جائے " خوض اللجج" کے معنی گہرائیوں میں اترنا ہے یہ حدیث ممکن ہے دو معنی کی طرف اشارہ کر رہی ہو۔

ا۔ (سفک المھج) یعنی ان مخالفین کا خون بہانا جو علم کے حصول کی راہ میں رکاوٹ ہیں، (خوض اللجج) کنایہ ہے مخالفین کی تلواروں کے درمیان چلے جانا اور لشکر کو شکست دینا ہے[۶]

۲۔(سفک المھج) یعنی حصول علم کی راہ میں دشمن سے لڑنا اور درجہ شہادت پر فائز ہو جانا، (خوض اللجج) یعنی دریا کی پر طلاطم موجوں سے گذرنا، یہ کنایہ ہے کہ حصول علم کی راہ میں سخت اور خطرناک راہوں کو عبور کرنا ہے

مبغوض ترین بندگان خدا:

اس کے بعد امام (ع) علم کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے جناب حضرت دانیال (ع) پر کی جانے والی وحی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "انّ اللہ تعالی اوحی الی دانیال: انّ دانیال انّ امقت عبیدی الیّ الجاھل المستخف بحق اھل العلم التّارک للاقتداء بھم؛ "خداوند متعال نے حضرت دانیال (ع) پر وحی کی کہ میرے نزدیک مبغوض ترین بندے وہ ہیں جو جاھل ہیں اور اہل علم کے حق کو معمولی سمجھتے ہیں اور انکی اقتداء نہیں کرتے۔

نکات:

ا۔ یہاں جاہل موصوف ہے اور اسکی دو صفتیں بیان ہوئی ہیں:

پہلی صفت یہ ہے کہ اہل علم کے حق کو معمولہ سمجھتے ہیں " المستخف بحق اھل العلم"

انکی دوسری صفت یہ ہے کہ اہل علم کی اقتداء اور پیروی نہیں کرتے "التّارک للاقتداء بھم؛"

۷۔ رجوع فرمائیں: صافی در اصول کافی ج ا ص ۳۰۲

۲۔ "امقت "کے معنی مبغوض ترین افراد، خداوند متعال کے نزدیک مبغوض ترین افراد وہ ہیں کہ ہم دن میں کم از کم دس مرتبہ خدا سے یہ دعا کرتے ہیں کہ ہماری ان کی راہ کی طرف ہدایت نہ فرما "غیر المغضوب علیھم "اس کے بعض مصادیق کی طرف گذشتہ حدیث کی شرح میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔

بنا برایں وہ نادان افراد جو اہل علم کے مقام کو معمولی سمجھتے ہیں اور انکی اطاعت نہیں کرتے کوئی بعید نہیں کہ یہ افراد بھی ان ہی گروہوں میں سے ہوں

۳۔ قرآن کی نگاہ میں جن لوگوں پر خدا غضب کرے تو اس غضب الٰہی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہلاکت سے دوچار ہو جاتے ہیں "ومن یحلل علیہ غضبی فقد ھوی "جس پر میں غضب ناک ہو جاؤں تو وہ یقینا ہلاک ہو جاتا ہے۔

خدا کے نزدیک محبوب ترین بندے: حضرت دانیال پر کی جانے والی وحی میں جہاں خدا کے نزدیک مبغوض ترین افراد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہاں خدا کے نزدیک محبوب ترین افراد کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

"انّ احبّ عبیدی الیّ التقی الطالب للثواب الجزیل، اللازم للعلماء التابع للحلماء القابل عن الحکماء ؛" یقینا میرے نزدیک محبوب ترین بندے وہ ہیں جو صاحب تقوی ہیں اور زیادہ ثواب حاصل کرنے کی کوشش میں ہیں، علماء کے پیروکار، بردبار اور حکماء کے اقوال کو قبوک کرتے ہیں "

نکات:

۱۔ وہ شخص خدا کے نزدیک محبوب ہے جو صاحب تقوی ہے اور وہ صاحب تقوی محبوب ترین شخص ہے جس میں چار صفتیں پائی جاتی ہیں: ۱۔ زیادہ ثواب کا طلب گار ۲۔ علماء کا ہمنشین ۳۔ علماء کا اطاعت گذار اور بردبار ۴۔ حکماء کی بات کو قبول کرے والا۔

۲۔ وہ شخص زیادہ ثواب کا طلب گار شمار ہوگا جو اسکے حصول کے لیے عمل کرے یعنی توحید خدا اور اسکے اوامر کا پابند ہو، شرک اور اوکے نواہی سے پرہیز کرے۔ اپنے ظاہر کو اخلاق حسنہ سے آراستہ کرے اور اپنے باطن کو رذائل اخلاقی سے پاک کرے

۳۔ علماء کے ساتھ ملازمت کا مطلب یہ ہے کہ انکے ساتھ رہے اور انکی ہمنشینی اختیار کرے جس طرح خداوند متعال علم کو دوست رکھتا ہے "انّ اللّٰہ یحب بغاۃ العلم "[۸] اسی طرح علماء کے ساتھ ہمنشینی کو بھی دوست رکھتا ہے۔" (اللازم للعلماء)

۸۔ اصول کافی ج۱ ص۳۰

۴۔ صرف علماء کی ہمنشینی کافی نہیں بلکہ انکی اطاعت اور پیروی خداکے محبوب ترین بندے بننے کی شرائط میں سے ہے (التابع للحکماء)، البتہ وہ عالم اطاعت اور پیروی کی صلاحیت رکھتا ہے جس میں حلم و بردباری اور شرح صدر رکھتا ہو۔

۵۔ صرف ظاہری اطاعت کافی نہیں بلکہ دل و جان سے ان کی بات کو قبول کرے (القابل عن الحکماء) البتہ وہ بات قابل قبول ہے جو حکمت پر مبنی ہو۔

چھٹی حدیث:

علی بن ابراھیم ،عن ابیہ ، عن القاسم بن محمد عن سلیمان بن داؤد المنقریِّ،عن حفص بن غیاث قال : قال لی ابو عبداللہ (ع) : من تعلّم العلم وعمل بہ علّم للہ ،دُعِیَ فی ملکوتِ السَّماواتِ عظیماً فقیل تعلّم للہ وعمل للہ وعلَّم للّٰہِ ۔ اصول کافی ج۱ ص ۳۵ ح۶

لغوی بحث:

(دُعِیَ) : نام رکھا گیا،[9] دعوتہ زیداً اذا سمّیتہ[10] (اگر دعا کا مادہ دو مفعولی ہو تو نام رکھنے کے معنی میں آتا ہے،

(ملکوت) "فَعَلُوت" کے وزن پر اس کا مادہ "ملک" ہے اور یہ مبالغہ لے لیے ہے "ملکوت السّماوات" یعنی ملک آسمان اور اگر "ملکوت آسمان کہا جاتا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے تاکہ ملک آسمان کی عظمت پر دلالت کرے۔"

تعلیم و تعلّم کا اجر:

حضرت امام جعفر صادق (ع) تعلیم و تعلّم کے کے اجر اور اس پر عمل کے بارے میں فرماتے ہیں : " من تعلّم العلم و عمل بہ و علّم للہ دعی فی ملکوت السّماوات : عظیما فقیل : تعلّم للہ و عمل للہ و علّم للہ '[11] "جو شخص علم کو خدا کے لیے سیکھ،اسپر عمل کرے اور دوسروں کو اسکی تعلیم دے تو ملکوت آسمان میں اس کا بڑا نام ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس نے علم کو خدا کے لیے سیکھا،اس پر عمل کیا اور دوسروں کو اس کی تعلیم دی،

۹۔ وافی : ج۱، ص ۱۶۰

۱۰۔ نھایۃ ابن اثیر: مادہ "دعو"

۱۱۔ شرح اصول کافی،ملا کافی ملا صالح مازندرانی، ج ۲ ص ۶۲

حدیث کاآخر اس بات پر قرینہ ہے کہ حدیث کے آغاز میں جو "لام" للہ ہے وہ جار مجرور تین فعل کے متعلق ہیں ، "تعلّم، عمل ،اور علم "

اہم نکتہ :

کسی بھی فعل کی عظمت و بزرگی اس وقت ہے جب وہ عمل خدا کے لیے کیا جائے اور جو عمل خدا کے لیے نا کیا جائے تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور اگر کوئی کام خدا کے لیے ہو تو اسکی اتین قدر و منزلت ہے کہ ملکوت آسمان میں اسے بڑائی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«بیسواں سبق»

علماء کی خصوصیات

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

علماء کی خصوصیات

پہلی حدیث:

محمد بن یحیی العطار ،عن احمد بن محمد بن عیسی عن الحسن بن محبوب عن معاویہ بن وھب قال:
سمعت ابا عبد اللہ ّ(ع)یقول :اطلبوا العلم وتزیّنوا معہ بالحلم والوقار وتواضعوا لمن تعلّموا العلم و تواضعوا لمن طلبتم منہ العلم ،ولا تکونوا علماء جبّارین فیذھب باطلکم بحقکم۔

اصول کافی ج ا ص ٣٦ ح ا

لغوی بحث :

(تزیّنوا) اس کا مادہ "زین" ہے ا اسکی ضد "شین" ہے اس کے معنی ہیں ظاہری حسن وزیبائی چاہے یہ مادی امور میں ہو یا معنوی امور میں ۔۔مادی امور میں جیسے : "وزینا السماء الدنیا بمصابیح "٢ اور امور معنوی میں جیسے : "ولکن اللہ حبّب الیکم الایمان وزیّنہ فی قلوبکم۔۔۔" ٣

(الحلم) : بردباری یا اپنے نفس اور طبیعت کو غصّے سے بچانا٤،

(الوقار) مادہ "وقر" سے اس کے معنی سنگینی اور بھاری پن کے ہیں "الوقر" یعنی کان کا بھاری پن ٥ (کم سننا)

اور "وقار" "سحاب" کے وزن پر ہے جس کے معنی بردباری اور آرام کے ہیں ٦

(تواضعوا) مادہ وضع سے ہے اسکی ضد "رفع" ہے ٧ اور تواضع کے معنی تذلّل کے ہیں ٨

ا۔ مقاییس اللغۃ : مادہ "زین"
٢ سورہ مبارکہ فصلت (٤١) آیہ ١٢
٣۔ سورہ مبارکہ حجرات (٤٩) :آیہ ٨
٤۔ مفردات راغب اصفہانی : "مادہ "حلم"
٥۔ مدرک سابق : مادہ "وقر"
٦۔ مجمع البحرین : مادہ "وقر"
٧۔ مفردات راغب اصفہانی : "مادہ "وضع"

(جبّارین) : مادہ جبر سے ہے اس کے معنی اصلاح کرنا، زبردستی کرنا، اسکر علاوہ قہر، قدرت و تسلط، اور سلطان کو بھی جبر و زبردستی کہتے ہیں۹ اسی لیے "جبّار" اسے کہتے ہیں جو بہت زیادہ زبردستی کوئی بات منوائے۔

شرح: معاویہ بن وھب کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق (ع) کو فرماتے ہوئے سنا ہے " **اطلبوا العلم وتزيّنوا معه بالحلم والوقار وتواضعوا لمن تعلّموا العلم و تواضعوا لمن طلبتم منه العلم ،ولا تكونوا علماء جبّارين فيذهب باطلكم بحقكم**؛ علم ودانش کی تلاش میں رہو اور علم کے ساتھ ساتھ اپنے اپ کو بردباری اور وقار سے آراستہ کرو جس سے علم سیکھو اسکے سامنے تواضع کرو اور جابر علماء میں سے مت ہو، تاکہ کہیں ایسا نا ہو کہ تمھارا باطل عمل حق کو بھی مٹادے۔

اہل علم کی خصوصیات :

اس حدیث میں امام (ع) نے علم ودانش کے حصول پر تاکید کرتے ہوئے اہل علم میں کچھ صفات کے ہونے کو لازم جانا ہے اور انکے حصول کی وصیت کی ہے۔

۱۔ حلم اور بردباری سے آراستہ ہوں

۲۔ پر وقار ہوں

۳۔ جنھیں علم دے رہے ہو ان سے تواضع اور فروتنی سے پیش آو، تاکہ وہ استاد کی گفتار سے پہلے استاد کے کردار سے تواضع اور فروتنی کا درس لے چکے ہوں " جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق (ع) نے اپنی ایک حدیث میں ابن ابی یعفور سے فرمایا: " کونوا دعاۃ الناس بغیر السنتکم "۱۰

۴۔ جب خود طالب علمی کے دور سے باہر آجائیں اور استاد بن جائیں تو اپنے گذشتہ اساتذہ کے لیے بھی تواضع کریں اور انکے حق کو اپنی نسبت بڑا سمجھیں

۵۔ جبّار اور غیر متواضع علماء میں سے نا ہوں کیونکہ جبّاریت خدا کے علاوہ کسی اور کے لیے باطل ہے اور اگر یہ صفت کسی میں پائی جائے تو حق کہ جو علم ہے اور اسکے اثر کو ختم کردیتی ہے

۸۔ مجمع البحرین: مادہ "وضع"

۹۔ مفردات راغب اصفہانی: "مادہ "جبر"

۱۰۔ اصول کافی ج۲ ص ۷۸

اس حدیث میں "جبّاریت" کو باطل کہا گیا ہے کیونکہ "جبّاریت" خدا کی مخصوص صفات میں سے ہے اور فقط خدا کی ذات لے لیے حق ہے اور باقی تمام مخلوق کے لیے باطل ہے۔

دوسری حدیث:

علی بن ابراہیم ،عن محمد بن عیسی۔ ،عن یونس ،عن حمّاد بن عثمان ،عن الحارث بن المغیرۃ النصری ،عن ابی عبداللہ(ع) فی قول اللہ عزّوجلّ "انّما یخشی اللہ من عبادہ العلماء" قال: یعنی بالعلماء من صدّق فعلہ قولہ ومن لم یصدّق فعلہ قولہ فلیس بعالم " اصول کافی ج ۱ص ۳۱ ح ۲

لغوی بحث :

(**یخشیٰ**) مادہ "خشی" سے ہے جس کے معنی ایسا ڈر خوف کہ جو کسی کی تعظیم اور بزرگی کی وجہ سے ہو،اور غالباً اس مورد میں استعمال ہوتا ہے جہاں ڈر وخوف کا سرچشمہ علم وآگاہی ہو اسی لیے یہ مقام علماء کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔[11]

حقیقی علماء:

شرح: اس حدیث میں حضرت امام جعفر صادق (ع) قرآن کی اس آیت "**انّما یخشی اللہ من عبادہ العلماء** " کی تفسیر فرماتے ہیں: **یعنی بالعلماء من صدّق فعلہ قولہ ومن لم یصدّق فعلہ قولہ فلیس بعالم** " علماء سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا فعل انکی گفتار کی تصدیق کرے لیکن اگر انکا فعل انکے قول کی تصدیق نا کرے تو وہ عالم نہیں ہیں۔

نکات:

۱۔آیت سے استفادہ ہوتا ہے کہ خدا سے وہ حقیقی خوف جس سے باطنی خشوع اور ظاہری خضوع پیدا ہو علماء کے ساتھ مخصوص ہے۔

۲۔خدا سے خوف کا مطلب یعنی اسکی نسبت اپنے وظیفہ اور ذمہ داری کی انجام دہی سے خوف ہے اسکے علاوہ ایک ایسی ذات کے لیے جو محدود ہے ایک ایسی ذات کی عظمت کا درک کرنا جو لا محدود ہے خوف آور ہے [12]

۱۱۔ مفردات راغب اصفہانی: "مادہ خشی"

۱۲۔ رجوع فرمائیں: تفسیر نمونہ ج۱۸،ص ۲۴۷

۳۔ حضرت امام جعفر صادق (ع) کی حدیث سے استفادہ ہوتا ہے کہ عالم صرف اسے کہتے ہیں جو اپنی بات پر یقین رکھتا ہو اور اسپر عمل کریں اسکے علاوہ اسے عالم نہیں کہا جاسکتا کیونکہ علم پر عمل نا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے علم پر یقین نہیں رکھتا اور حقیقت یہ ہے کہ علم اس کے پاس عارضی طور پر رکھوادیا گیا ہے اور عنقریب اس سے سلب ہو جائے گا۔ ۱۳

تیسری حدیث:

عدّة من اصحابنا، عن احمد بن محمد البرقی عن اسماعیل بن مهران عن ابی سعید القمّاط، عن الحلبی عن ابی عبدالله (ع) قال: قال: امیر المؤمنین (ع) الا اخبرکم بالفقیه حق الفقیه؟ من لم یقنط النّاس من رحمة الله، ولم یومنهم من عذاب الله، ولم یرخّص لهم فی معاصی الله، ولم یترک القرآن رغبة عنه الی غیره؟

الا لا خیر فی علم لیس فیه تفهّم، الا لا خیر فی قراءة لیس فیها تدبّر، الا لا خیر فی عبادة لیس فیها تفکّر

وفی روایة اخری: الا لا خیر فی علم لیس فیه تفهّم، الا لا خیر فی قراءة لیس فیها تدبّر، الا لا خیر فی عبادة لا فقه فیها، الا لا خیر فی نسک لا ورع فیه۔ اصول کافی ج ۱ ص ۳۶ ح ۳

لغوی بحث:

(یقنط) مادہ "قنط" سے ہے اس کے معنی ہیں نیکی سے ناامید ہونا ۱۴، یا پھر سخت قسم کی ناامیدی کو کہتے ہیں ۱۵۔

(یرخّص) مادہ "رخص" سے ہے اس کے معنی ہیں کسی کام میں آسانی کرنا یا اسکی شدّت کو برطرف کرنا ۱۶

(رغبة) اگر "فی" اور "الی" کے ساتھ متعدی ہو تو اس کے معنی کسی چیز کی طرف مائل ہونا ہے اور اگر "عن" کے ساتھ متعدی ہو تو اسکے معنی کسی چیز سے نفرت اور روگردانی کے ہیں ۱۷

۱۳۔ الوافی: ج ۱ ص ۱۶۲

۱۴۔ مفردات راغب اصفہانی: "مادہ "قنط"

۱۵۔ نھایۃ ابن اثیر: مادہ "قنط"

۱۶۔ مجمع البحرین: مادہ "رخص"

۱۷۔ مفردات راغب اصفہانی: "مادہ" رغب"

حقیقی فقیہ:

شرح: اس روایت میں حضرت امام جعفر صادق (ع) حضرت امام علی (ع) سے نقل فرماتے ہیں: "**الا اخبرکم بالفقیہ حق الفقیہ**؟ کیا میں تمھیں بتاؤں کہ حقیقی فقیہ کون ہے؟

نکات:

ا۔ "حق الفقیہ" یا "فقیہ" کا بدل ہے یا اسکی صفت ہے، اور اس کے بعد مبداء محذوف کے لیے خبر ہے یعنی "ھو" کے لیے، یا مبتداء ہے اور اس کے بعد اسکی خبر ہے یا پھر فعل "اعنی" مقدر سے منصوب ہے

۲۔ "**اخبر**" مادہ "خبر" کا متکلم وحدہ ہے اس کے معنی ہیں علم اور اطلاع جو تحقیق، اور دقّت کے ساتھ ہو[۱۸]، نیز اس کے معنی کسی کو کسی چیز کے بارے میں زیادہ آگاہ کرنا جیسے کسی کو کسی کی تمام نشانیوں سے آگاہ کرنا ہے،[۱۹] اس اعتبار سے گویا حضرت علی (ع) فقیہ کی تمام خصوصیات، اور تمام شرائط کو بیان کرنا چاہتے ہیں یا یہ فقیہ کی اہم اور بنیادی خصوصیات کو بیان کر رہے ہیں۔

۳۔ اگرچہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ روایات میں "**فقہ**" سے مراد آج کی اصطلاح میں فقہ جس معنی میں (یعنی اجتھاد) استعمال ہوتا ہے وہ نہیں بلکہ اس کے معنی دینی مسائل میں دقّت ہے، لیکن اس روایت میں موجود قرائن سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ اگرچہ روایات میں فقہ دینی مسائل میں دقّت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے مگر یہاں اور اس روایت میں وہی شخص مراد ہے جسے آج کی اصطلاح میں فقیہ اور مجتہد کہتے ہیں اور احکام شریعت کو اس سے لیا جاتا ہے۔[۲۰]

حقیقی فقیہ کی خصوصیات:

اس روایت میں امام (ع) نے ایک حقیقی اور کامل فقیہ کی صفات کو مندرجہ ذیل انداز میں بیان کیا ہے۔

ا۔ لوگوں کو ناامید نہیں کرتا

۱۸۔ التحقیق فی کلمات القرآن الکریم: مادہ "خبر"

۱۹۔ صافی در شرح کافی ج ا ص ۳۰۸

۲۰۔ صافی در شرح کافی ج ۲ ص ۳۲۳

"**من لم يقنط النّاس من رحمةالله**؛لوگوں کورحمت خداسے مایوس نا کرے،لوگوں کومایوس کرنادوطرح سے ہوسکتا ہےایک یہ کہ ایسی آیات وروایات کازیادہ ذکر کیا جائے جس میں قیامت اور قیامت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے یا پھر گناہ گار انسان کواللہ کی بخشش اور مغفرت سے مایوس کردیا جائے،

خدا کی رحمت سے ناامیدی گناہ کبیرہ ہےاور یقیناجو حقیقی عالم ہوگاوہ جوگوں کو خدا کی رحمت سے مایوس نہیں کریگالہٰذاجو جوگوں کو خدا کی رحمت سے مایوس کرے وہ حقیقی عالم نہیں ہےاوراس کے پاس علم نام کی کوئی چیز نہیں ہےاور یہ چیزاس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ خدا کی رحمت کی وسعت سے بے خبراور جاہل ہے

حضرت امام سید سجاد (ع) کو یہ اطلاع دی کہ حسن بصری یہ کہہ رہاہے "**ليس العجب ممن هللك كيف هلك وانّما العجب ممن نجي كيف نجي**؛ "یعنی اگر کوئی ہلاک ہوجائے تواس پر تعجب نہیں ہے کہ وہ کیسے ہلاک ہوابلکہ تعجب اس پر ہے جو نجات پاجائے کہ وہ کیسے نجات پاگیا؟حضرت امام سید سجاد (ع)فرماتے ہیں کہ میں تو یہ کہتاہوں کہ "**ليس العجب ممن نجي انّما العجب ممن هلك مع سعة رحمةالله**"اگر کوئی نجات پالے تو تعجب اس پر نہیں ہے کہ اس نے کیسے نجات پالی بلکہ تعجب تواس شخص پر ہے کہ جوخدا کی رحمت کے اتناوسیع ہونے کے باوجودھلاک ہوگیا کہ وہ کیسے ہلاک ہوا؟!"۲۱

۲۔لوگوں کوخداکے عذاب سے مطمئن نہیں کرتا:

"**ولم يومنهم من عذاب الله**؛لوگوں کو یہ نا بتائے کہ وہ خداکے عذاب سے محفوظ ہیں۔

جس طرح سے فقیہ لوگوں کو خدا کی رحمت سے مایوس نہیں کرتااسی طرح انھیں گناہ کے سلسلہ میں جری نہیں بنادیاکہ وہ یہ گمان کریں کہ خداکے عذاب سے محفوظ ہیں جس طرح سے ہمیشہ عذاب سے متعلق آیات کی تلاوت لوگوں کی رحمت خدا سے مایوسی کا بٗاث بنے اسی طرح ہمیشہ ایسی آیات کی تلاوت جوامید اور رحمت خدا کو بیان کرتی ہیں اس چیز کاسبب بنے کہ انسان گناہوں کے مقابلے میں جری ہوجائے اور خداکے عذاب سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھے ،پس ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام موارد میں اعتدال کی رعایت کی جائے۔

جو شخص اپنے آپ یادوسروں کو خداکے عذاب سے امن میں سمجھے قرآن نے اسے نقصان اٹھانے والی قوم کہاہے۔

۲۱۔امالی سید مرتضی ج۱ص ۱۱۳

"فلا یامن مکر اللہ الّا القوم الخاسرون اور "۲۲ نقصان اٹھانے والی قوم کے سوا کوئی اپنے آپ کو خدا کے عذاب سے محفوظ نہیں سمجھتا۔"

۳۔گناہ کی اجازت نہیں دیتا:

"ولم یرخّص لھم فی معاصی اللہ؛ لوگوں کو معصیت کی اجازت نہیں دیتے"

بعض افراد لوگوں کو خدا کے عذاب سے محفوظ ہونے کی بشارت کے علاوہ انھیں اس بات کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ وہ گناہ کریں اور انھیں کنایۃ یا صراحتا اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ عملی طور پر فسق و فجور کے مرتکب ہوں، جیسے فرقہ مرجئہ کہ جو مؤمنین کو اس بات کی امید دلاتے تھے کہ اگر گناہ کریں تو ممکن ہے بخشے جائیں کیونکہ وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ عمل رتبہ کے لحاظ سے ایمان کے بعد ہے اور ایمان کی حقیقت میں میں اسکی کوئی دخالت نہیں ہے اور اس بات کے معتقد تھے کہ معصیت ایمان کے لیے نقصان دہ نہیں۔

۴۔قرآن کو ترک نہیں کرتا:

"ولم یترک القرآن رغبۃ عنہ الی غیرہ" قرآن سے روگردانی کی وجہ سے قرآن کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف مائل نہیں ہوتا، بنابراین جو قرآن کو چھوڑ دے اسے فقیہ نہیں کہا جاسکتا اگرچہ حافظ حدیث ہو فہم حدیث شناخت کتاب خدا اور اس میں تفکّر کا نام ہے اور اگر کوئی قرآن کو چھوڑ دے اور فقط حدیث اور قیاس میں مصروف ہو جائے تو یقینا علم کی حقیقت اس سے دور ہا جائے گی۔

نکات:

۱۔یہ چار صفت سلبی ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ حقیقی فقیہ وہ ہے جس میں مذکورہ صفات کی متضاد صفات ، پائی جاتی ہیں بعض افراد لوگوں کے درمیان فقہاء کے عنوان سے مشہور ہیں مگر حقیقی فقہاء نہیں ہیں اور یہ چیز از ، باب "تعریف الشی بضدہ کے زمرہ میں آتی ہے۔۲۳

۲۔مذکورہ چار خصوصیات مندرجہ ذیل مذاہب کے باطل ہونے کی طرف اشارہ ہیں۔

۲۲۔سورہ مبارکہ اعراف آیہ ۹۹

۲۳۔صدرالدین شیرازی، شرح اصول کافی ج ۲ ص ۱۲۵۔ ۱۲۶

خدا کی رحمت سے مایوس نا ہونا مذہب معتزلہ کے باطل ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مذہب اس بات کا قائل ہے کہ خدا کے وعدو وعید کے مطابق ایسے افراد جو گناہ کبرہ کے مرتکب ہو جائیں وہ حتما ہمیشہ کے لیے جھنم میں رہینگے۔اسی طرح خوارج کی طرف بھی اشارہ ہے جو تکالیف شرعیہ کے بارے میں نہایت سخت قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

اور خدا کے عذاب سے لوگوں کو محفوظ قرار نا دینے سے فرقہ مرجئہ کے باطل ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ جو شفاعت پر مغرور ہیں۔

اور خدا کی معصیت کی اجازت نا دینے سے مذہب حنبلی اور بہت سے متصوفہ کے باطل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

اور عدم ترک قرآن سے مذہب حنفی کے باطل ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ جھنوں نے قیاس پر عمل کرکے قرآن کو مھجور کردیا ہے۔ [۲۴]

۲۴۔مدرک سابق

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«اکیسواں سبق»

علماء کی خصوصیات (۲)

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

علم با فہم :

امام (ع) حدیث کو جاری رکھتے ہوئے اس علم کو اچھا سمجھتے ہیں جو فہم کے ساتھ ہو آپ فرماتے ہیں : "**الا لا خیر لیس فیہ تفھم**" خبر دار وہ علم جو فہم سے خالی ہو اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے "

"**الا**" ہمزہ پر زبر اور لام ساکن ہے یہ حرف استفتاح اور تنبیہ ہے جو معمولا مخاطب کی توجہ کو جلب کرنے کے لیے آتا ہے، اور "لا" نفی جنس ہے یعنی کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور "فی" "فیہ" میں "مع" کے معنی میں ہے ۱ "تفھم" یعنی حقائق کو سمجھنا، یعنی ایسا علم انسان کے لیے مفید ہے جو حقائق کے سمجھنے کے ساتھ وابستہ ہے، لیکن اگر یہ گمان، تقلید اور صرف اقوال وآیات کے حفظ پر مشتمل ہو تو یہ علم نا حقیقی علم ہے اور نا مفید۔ ۲

حدیث کا یہ حصہ فقیہ کی شرائط میں سے پہلی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے کہ آپ نے فرمایا: لوگوں کو خدا کی رحمت سے مایوس نا کرے "یعنی جو شخص اپنے علم میں طالب حقیقت ہو تو وہ اس بات کو جان لے گا کہ لوگوں کو خدا سے امید دلانا اسکی اطاعت کا سبب ہے اور ناامید کرنا اسکی نافرمانی کا سبب بنتا ہے اور جو شخص لوگوں کو خدا سے ناامید کرے تا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا علم فہم کے ساتھ نہیں تھا اور اس قسم کے علم کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

تدبّر کے ساتھ قرائت :

اسی طرح امام (ع) اس قرائت کو اچھا سمجھتے ہیں جو تدبّر کے ساتھ ہو آپ فرماتے ہیں : "**الا لا خیر فی قراءۃ لیس فیھا تدبّر**؛ خبر دار ! وہ قرائت جو تدبّر سے خالی ہو اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے"

لغوی بحث:

(تدبّر) یعنی کسی امر کی گہرائی کو دیکھنا، اس میں دقّت اور فکر کرنا، ۳ اور قرآن کے سلسلہ میں کسی ایک آیت کے بعد دوسری آیت میں غور وفکر کرنا یا غور فکر کے بعد دوبارہ غور وفکر کرنا ۴

۱۔ الشافی فی شرح الکافی: ج ۲، ص ۳۲۶

۲۔ رجوع فرمائیں: مراۃ العقول: ج ۱، ص ۱۱۹

۳۔ مجمع لابحرین: مادہ "دبر"

اگرچہ روایات میں قرآن کی آیات کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے اور صرف اسکی تلاوت بھی ہر فرد کے لیے بہت سے آثار و برکات رکھتی ہو لیکن قرآن کے حقیقی فائدہ اور اسکے حقائق تک پہنچنے کے لیے تدبّر ضروری ہے۔

قرآن میں تدبّر کرنے سے قرآن کی حقانیت اور اسکا معجزہ ہونا روشن ہو جاتا ہے "**افلا یتدبّرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا**"[5] کیا قرآن میں تدبّر نہیں کرتے اور اگر (بالفرض) وہ خدا کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقینا وہ اس میں بہت زیادی اختلاف پاتے۔

قرآن میں تدبّر کرنے سے انسان اصول دین (توحید، نبوت، معاد) سے واقف ہو جاتا ہے اور اندھی تقلید سے محفوظ رہتا ہے،

اسی طرح اگر ان آیات میں تدبّر کیا جائے جو ولایت کے بارے میں نازل ہوئی ہیں تو اسلامی معاشرہ اور مسلمانوں کے درمیان سے اختلافات ختم ہو کر انکی ترقی اور پیشرفت کا سبب بن سکتا ہے۔

قرآن ہی میں تدبّر کرنے سے انسانی معاشرہ میں اخلاقی قدروں میں اضافہ ہو کر برائیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

حدیث کے اس حصہ میں امام علی (ع) ان لوگوں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو قرآن سے منہ موڑ کر دوسری طرف مائل ہیں یعنی قرآن اور اسکی آیات سے عدم تمسک کی وجہ بغیر تدبّر کے قرآن کی قرائت ہے۔

تفکّر کے ساتھ عبادت :

روایت کے دوسرے حصہ میں امام علی (ع) اس عبادت کو جو مفید نہیں سمجھتے جس میں تفکّر نا ہو

"**الا لا خیر فی عبادۃ لیس فیھا تفکّر**" خبردار! وہ عبادت جو تفکّر سے خالی ہو اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے"

عبادت کا ہدف یہ کہ انسان اپنے معبود سے نزدیک ہو اور اسکی رضایت کو جلب کرے اور اسکے علاوہ دوسروں سے رابطہ منقطع کرے اور یہ ایک طبیعی سی بات ہے کہ یہ امر چند ظاہری اور فیزکی حرکتوں سے متحقق نہیں ہو سکتا بلکہ یہ امر معبود اور عبادت کی حقیقت میں تفکّر کے سایہ ہی میں امکان پذیر ہے کہ جس کے بعد انسان قرب الہی کو حاصل کر سکتا ہے،

۴۔ رجوع فرمائیں: المیزان ج۵ ص۱۹

۵۔ سورہ مبارکہ: نساء آیت ۸۲

دین اسلام میں عظمت الٰہی کے بارے میں غور و فکر کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ کبھی اسے عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسا کہ حضرت امام علی رضا (ع) سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: " **لیس العبادة کثرة الصّلاة والصّوم انّما العبادة التّفکّر فی امر الله عزّ وجلّ**"[٦] عبادت نماز اور روزہ کی کثرت کا نام نہیں ہے بلکہ عبادت امر الٰہی میں تفکر کا نام ہے

ممکن ہے حدیث کے اس فقرہ کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہو کہ عمل کے لحاظ سے بھی فقیہ کا فعل اور عمل خدا کی عظمت، اسکی نعمتوں اور اسکے افعال و صفات میں تفکّر کے ساتھ ہو ورنہ وہ ایک حقیقی فقیہ شمار نہیں ہوگا۔

ایک اور روایت میں حضرت علیّ (ع) فرماتے ہیں: **الا لا خیر فی علم لیس فیه تفهّم ، الا لا خیر فی قراءة لیس فیها تدبّر ،الا لا خیر فی عبادة لا فقه فیها ، الا لا خیر فی نسک لا ورع فیه**۔

روایت کے ابتدائی دو فقرے بالکل وہی ہیں جن کی وضاحت کی جاچکی ہے اور تیسرا فقرہ جس میں آپ فرماتے ہیں: **الا لا خیر فی عبادة لا فقه فیها**" فقہ کے معنی فہم عمیق کو کہتے ہیں (کسی چیز کو دقّت سے سمجھنا) اور عبادت میں اس کے معنی ہیں عبادت کے فلسفہ کو سمجھنا، اسکی معرفت حاصل کرنا، اور معبود کے افعال، صفات اور اسکی نعمتوں کی عظمت کی شناخت کا نام ہے اسی صورت میں نماز روزمرہ کی عادت اور محض چند فیزیکی حرکتوں سے باہر نکل کر خدا کی معرفت اور اسکے قرب کے لیے زینہ بن جائے گی، نماز 'معراج مؤمن " قربان کلّ تقی " روزہ شیطان کے چہرہ کو سیاہ کرنے والا، اور حج تمام گناہوں سے پاک ہونے کا ذریعہ بن جائے گا۔ اور یہ آثار اس عبادت کے ہوں گے جو تفکّر کے ساتھ ہوگی۔ اور ممکن ہے کہ ان دو فقروں سے مراد ایک ہی چیز ہو اور صرف عبارت اور الفاظ کا فرق ہو۔

پرہیزگاری کے ساتھ عبادت:

امام (ع) آخری فقرہ میں فرماتے ہیں: " **الا لا خیر فی نسک لا ورع فیه**"

لغوی بحث:

(نسک) کے معنی اطاعت اور عبادت کے ہیں اور ہر وہ چیز جس کے وسیلہ سے خدا کے قریب ہوا جائے[٧]

(ورع) محرمات سے پرہیز اور شدید اجتناب[٨]

---

٦ ۔ اصول کافی ج ٢، ص ٥٥

٧ ۔ نهایة ابن اثیر: مادہ " نسک"

اس فقرہ میں امام (ع) درحقیقت عبادت کی ایک اور شرط کی طرف اشارہ کررہے ہیں یعنی جس طرح عبادت کے لیے ضروری ہے کہ تفکّر کے ساتھ ہو اسی طرح اس کے لیے ضروری ہے کہ پرہیزگاری اور ورع کے ساتھ ہو، درحقیقت وہی عبادت عبادت ہے جو انسان کی زندگی کو سنوارنے میں اہم کردار ادا کرے، اور انسان کو محرمات سے بچائے جیسا کہ قرآن نے نماز کے بارے میں فرمایا ہے: "انّ الصّلاۃ تنھی عن الفحشاء ولمنکر" [9]

یقینا نماز فحشاء اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

سوالات:

۱۔ حضرت امام جعفر صادق (ع) کی حدیث میں اہل علم کی کیا خصوصیات بیان کی گئی ہیں،

۲۔ حضرت امام جعفر صادق (ع) نے اس آیت "انّ ما یخشی اللہ من عبادہ العلماء" کے ذیل میں علماء کی جو تعریف کی ہے وہ بیان کریں

۳۔ اس آیت "انّما یخشی اللہ من عبادہ العلماء" میں خشیۃ خدا سے کیا مراد ہے؟

۴۔ "اس عبارت "الا اخبر کم بالفقیہ حق الفقیہ" میں

الف: "اخبر" کے معنی کی وضاحت کریں

ب: حق الفقیہ" کے اعراب میں جو مختلف احتمالات پائے جاتے ہیں وہ بیان کریں

۵۔ اس عبارت "من لم یقنط الناس من رحمۃ اللہ" میں

الف: "قنط" کے معنی بیان کریں

ب: لوگوں کو خدا سے مایوس کرنا کس طرح متحقق ہوتا ہے؟

۶۔ لوگوں کو خدا کے عذاب سے کس طرح مطمئن کیا جاتا ہے؟ اسکے راستہ کو بیان کریں

۷۔ حضرت امام جعفر صادق (ع) کی حدیث کی روشنی میں معتزلہ، خوارج، مرجیئہ، حنبلی، متصوفہ، اور حنفی کے عقائد کی وضاحت کریں

۸۔ مدرک سابق مادہ "ورع"

۹۔ سورہ عنکبوت آیت ۴۵

۸۔اس عبارت "الا لا خیر فی علم لیس فیہ تفہّم" میں پائے جانے والے ادبی نکات کی طرف اشارہ کریں

۹۔ لغت اور قرآن کے اعتبار سے "تدبّر" کے معنی بیان کریں

۱۰۔اس عبارت "الا لا خیر فی عبادۃ لیس فیھا تفکّر" کی روشنی میں عبادت میں تفکّر کی اہمیت پر روشنی ڈالیں

۱۱۔ : "الا لا خیر فی نسک لا ورع فیہ" میں لفظ" نسک" اور "ورع" کے لغوی معنی پر روشنی ڈالتے ہوئے عبارت کی وضاحت کریں

مشق:

مندرجہ ذیل احادیث کا سند اور متن کے حوالے سے جائزہ لیں

۱۔ عدّۃ من اصحابنا، عن احمد بن محمد بن خالد عن علی بن محمد القاسانی عمّن ذکرہ، عن عبداللہ بن القاسم الجعفری، عن ابی عبداللہ (ع) قال: انّ العالم اذا لم یعمل بعلمہ زلّت موعظتہ عن القلوب کما یزیل المطر عن الصفا۔

۲۔ علی بن ابراھیم، عن ابیہ، عن القاسم بن محمد عن المنقری عن علی بن ہاشم بن البرید عن ابیہ قال: جاء رجل الی علی بن الحسین (ع) فسالہ عن مسائل فاجاب، ثمّ عاد لیسال عن مثلھا، فقال علی بن الحسین (ع) مکتوب فی الانجیل لا تطلبوا علم مالا تعلمون ولمّا تعلموا بما علمتم فانّ العلم اذا لم یعمل بہ لم یزدد صاحبہ الّا کفرا، ولم یزدد من اللہ الّا بعدا

۳۔ محمد بن یحییٰ، عن احمد بن محمد بن عیسی، عن محمد بن سنان، عن المفضّل بن عمر عن ابی عبداللہ (ع) قال: قلت لہ: بمَ یُعرفُ النّاجی؟ قال: من کان فعلہ لقولہ موافقا فاثبت لہ الشھادۃ، و من لم یکن فعلہ لقولہ موافقا فانّما ذلک مستودع۔

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد و اسالیب

«بائیسواں سبق»

علماء کی خصوصیات

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

علماء کی خصوصیات

چوتھی حدیث :

محمد بن یحیی ،عن احمد بن محمد بن عیسی، ومحمد بن اسماعیل ،عن الفضل بن شاذان النیسابوری جمیعاً ، عن صفوان بن یحیی ، عن ابی الحسن الرِّضاؑ (ع) قال: انّ من علامات الفقه الحلم والصمت ۔

اصول کافی ج ا ص ۳۶ ح ۴

شرح : متعدد بار اس چیز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ " فقہ " سے مراد " فقہ "اصطلاحی نہیں ہے، بلکہ اس کے معنی دین فہمی کے ہیں اور یہ وہ علم ہے کہ جو دل کی نورانیت، عالم ملکوت کی طرف ہدایت اور معارف الٰہی کے حقائق کے مشاہدہ کا سبب بنتا ہے[1]، امام علی رضا (ع) اس قسم کے علم کے لیے دو قسم کی نشانیوں کا ذکر کرتے ہیں :

ا۔ (حلم) اپنے نفس کو غصہ کی کیفیت سے محفوظ رکھنا،[2] اور ممکن ہے یہاں "حلم " سے مراد لڑائی جھگڑے اور بحث وبدل کو ترک کرنا ہے

ہر شخص اپنی زندگی میں کچھ ناروا حالات سے دوچار ہوتا ہے، خاص طور پر ایسے دانا اور صاحبان علم افراد جو معاشرہ کی ہدایت اور رہنمائی کے ذمہ دار ہیں ممکن ہے ایسے نادان افراد سے انکی ملاقات ہو جن کا رویّہ شائستہ نا ہو کہ جو اس بات کی حکایت کرہا ہو کہ وہ علماء کے قدر دان نہیں ہیں، اور کیونکہ علماء کا ہدف لوگوں کی ہدایت کرنا ہے لہٰذا اس قسم کے ناروا اور ناشائستہ رویّہ کے سامنے حلم وبرد باری کا مظاہرہ کریں تاکہ اپنے ہدف میں کامیاب ہو سکیں آئمّہ معصومیں (ع) جیسے حضرت امیر المؤمنین (ع) حضرت امام حسن (ع) اور حضرت امام موسی کاظم (ع) کی زندگی میں ہم بہت سے ایسے موارد دیکھتے ہیں جہاں انھوں نے نا مناسب اور ناشائستہ رویّہ کے سامنے حلم وبرد باری کا مظاہرہ کیا اور اس طرح سے انھوں نے متعدد لوگوں کی ہدایت کا میدان ہموار کیا اسی لیے حضرت امام جعفر صادق (ع) نے حلم کو اہل علم کی زینت کہا ہے اور انھیں اس سے آراستہ ہونے کا حکم دیا ہے آپ فرماتے ہیں :

"اطلبوا العلم وتزیّنوا معه بالحلم والوقار" علم حاصل کرو اور اسے حلم کے ذریعہ زینت دو

ا۔ شرح اصول کافی، ملّا صالح مازندرانی ج ۲ ص ۸۱

۲۔ مجمع البحرین : مادہ "حلم "

قرآن کریم بھی جب خدا کے مخلص بندوں کے اوصاف کو بیان کرتا ہے تو فرماتا ہے: کہ جب یہ لوگ جاہل افراد سے ملتے ہیں تو انھیں سلام کرتے ہیں، اور یہ حلم و بردباری کی نشانیوں میں سے ایک ہے " وعباد الرّحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما" [3] خدائے رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نہایت فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب کوئی نادان ان سے مخاطب ہوتا ہے تو اس پر سلام (خدا حافظ) کرتے ہیں

(الصمت) کے لغوی معنی طولانی سکوت اور خاموشی [4] کے ہیں اور یہاں پر مراد ان مقامات پر سکوت اور خاموشی ہے جہاں پر اسکی ضرورت ہے [5] ورنہ نامناسب سکوت وہ ہے کہ جہاں بولنا اور کلام کرنا ضروری ہے یہاں سکوت اور خاموش رہنا جائز نہیں ہے اور جہاں پر خاموش رہنا ضروری ہے وہاں پر بولنا اور کلام کرنا جائز نہیں ہے پیغمبر اسلام (ص) اپنی وصیت میں ابوزر سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یا اباذر انّ اللہ عزّوجل عند لسان کل قائل فلیتق اللہ امرء ولیعلم مایقول ،یا اباذر اترک فصول الکلمات وحسبک من الکلام ما تبلغ بہ حاجتک یا ابا ذر کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمعہ ،یا ابا ذر؛ ما من شیء احقّ بطول السجن من اللسان۔ [6] " اے ابوذر خدا ہر بولنے والے کی زبان کے پاس ہے پس سخنور کے لیے ضروری ہے کہ خدا سے ڈرے اور یہ جانے کہ وہ کیا بول رہا ہے اے ابوذر زائد گفتگو سے پرہیز کرو اور تمھیں صرف اتنی گفتگو کرنی چاہیے کہ جس سے تم اپنی ضرورت کو پورا کر سکو، اے ابوذر انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ جو کچھ سنے اسے دوسروں کے سامنے کہہ دے، اے ابوذر وہ چیز جو قید خانے میں رکھے جانے کی سب سے زیادہ مستحق ہے وہ زبان ہے۔

بنابرایں زبان کو اسکی آفات جیسے جھوٹ، تھمت، چغلی، اور ہر نازیبا گفتگو سے محفوظ رکھنا چاہیے، اور بہترین کلام اور جس میں خدا کی رضا ہو اسے ضرور بولنا چاہیے اور حق بات کہنے میں دریغ نہیں کرنا چاہیے

---

۳ ۔ سورہ مبارکہ فرقان آیہ ۶۳

۴۔ العین: مادہ "صمت"

۵۔ الکشف الوفی فی شرح اصول کافی: ص ۱۳۹

۶۔ امالی، شیخ طوسی: ص ۵۳۵

پانچویں حدیث:

احمد بن عبداللہ عن احمد بن محمد البرقی ،عن بعض اصحابہ ،رفعہ قال :قال امیر المؤمنین (ع) لا یکون السّفه والغرّة فی قلب العالم ۔ اصول کافی ج۱ص۳۱ح۵

شرح: حضرت امیر المؤمنین (ع) دو صفتوں کو عالم کے دل سے دور جانتے ہیں ۱۔ سفاہت ۲۔ غفلت

۱۔ (سفاہت) اس کا مادّہ (سیفہ) ہے جو حلم کی ضد ہے[7] اس کے معنی بدن کا سبک ہونا ہے اور اور عقل میں نقص کی وجہ سے نفس کے سبک ہونے میں استعمال ہوتا ہے[8] ،نادان اور "سفیہ" اسے کہتے ہیں کہ جو اپنی رای اور نظر میں استقامت نار کھتا ہو[9] اسی لیے حدیث جنود عقل و جہل میں سفاہت حلم کے مقابلہ میں آیا ہے، خلاصہ یہ کہ سفاہت کم عقلی کے معنی میں ہے جسکی وجہ سے انسان سے غیر متعادل حرکات صادر ہوتی ہیں

۲۔ (غرّہ): کے معنی غفلت، فاسد عمل کا فریفتہ ہونا، باطل آراء اور شیطان اور نفس سے دھوکہ کھانے کو کہتے ہیں[10] یہ دو صفتیں عالم کے دل سے دور ہونی چاہییں کیونکہ عالم کا قلب حقائق اور نورانی معارف کے لیے روشن چراغ کی مانند ہے،اور اگر کوئی سفیہ یا مغرور ہو تو حقیقت میں وہ عالم نہیں ہے کیونکہ وہ علم کی نورانیت سے بہرہ مند نہیں ہوا اور روایت اہل بیت (ع) کے پیش نظر علم وہ نور ہے جسے خداوند متعال جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے حضرت امام جعفر صادق (ع) نے فرمایا: "**ولیس العلم بکثرۃ التعلم ۔انّما ھو نور یقع فی قلب من یرید اللہ ان یھدیه**" "علم کثرت تعلّم کا نام نہیں بلکہ علم تو ایک نور ہے خدا جس کی ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔"

۷۔ العین: مادہ "سفہ"

۸۔ مفرادات راغب ااصفہانی: "مادہ سفہ"

۹۔النھایہ: مادہ "سفہ"

۱۰۔ مراۃ العقول: ج۱، ص۱۲۰

۱۱۔ بحار الانوار: ج۶۷ص۱۴۰

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«تئیسواں سبق»

رہبر کی ضرورت (۱)

M.O.U

www.i-MOU.com

research@almustafaou.com

تفصیل

رہبر کی ضرورت (۱)

پہلی حدیث:

قال ابو جعفر محمد بن یعقوب الکلینی مصنف ھذا الکتاب رحمۃ اللہ حدّثنا علی بن ابراہیم ،عن ابیہ ،عن العباس بن عمر الفقیمی ،عن ھشام بن الحکم ،عن ابی عبداللہ (ع) انّہ قال للزندیق الّذی سالہ من این اثبتّ الانبیاء والرّسل ؟

قال: انّا لمّا اثبتنا انّ لنا خالقا صانعا متعالیا عنّا وعن جمیع ما خلق ،وکان ذلک الصانع حکیما متعالیا لم یجز ان یشاھدہ خلقہ ،ولا یلا مسوہ فلیباشرھم ویباشروہ و یحاجھم ویحاجّوہ؛ ثبت انّ لہ سفراء فی خلقہ یعبّرون عنہ الی خلقہ وعبادہ ویدلّونھم علی مصالحھم و منافعھم وما بہ بقاؤھم وفی ترکہ فناؤھم فثبت الامرون والنّاھون عن الحکیم العلیم فی خلقہ والمعبّرون عنہ جلّ و عزّ وھم الانبیاء (ع) وصفوتہ من خلقہ ، حکماء مؤدّبین بالحکمۃ ، مبعوثین بھا غیر مشارکین للنّاس علی مشارکتھم لھم فی الخلق والتّرکیب فی شیء من احوالھم مؤیّدین من عند الحکیم العلیم بالحکمۃ ،ثبت ذلک فی کلّ دھر وزمان ممّا انت بہ الرّسل ولانبیاء من الدّلائل ولبراھین ؛لکیلا تخلوا ارض اللہ من حجۃ یکون معہ علم یدلّ علی صدق مقالتہ و جواز عدالتہ۔

شرح: ہشام بن حکم نقل کرتے ہیں کہ ایک زندیق (جو شریعت اور قیامت پر یقین نہیں رکھتا) نے حضرت امام جعفر صادق (ع) سے سوال کیا " من این اثبت الانبیاء والرسل ؟آپ انبیاء اور رسولوں کو کس دلیل کے ذریعہ ثابت کرتے ہیں ؟

"این" جگہ اور مکان کے ، بارے میں سوال کے لیے آ ،تا ہے ،لیکن یہاں دلیل کے ، بارے میں سوال کے لیے آ ،یا ہے کیونکہ دلیل مطالب کے اثبات کی جگہ اور محل ہے "اثبت" یا مخاطب معلوم یا غائب مجہول ہے یہ حدیث کتاب توحید کے باب "حدوث العالم واثبات المحدث" کی پانچویں حدیث کا باقی حصہ ہے ،گویا زندیق کا سوال اس طرح ہے کہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اس عالم کا کوئی

بنانے والا ہے تو وہ انبیاء اور رسولوں کے ارسال کے بغیر انسانوں کو اپنے حکم سے آگاہ کیوں نہیں کرتا اور انبیاء کے بھیجنے کی کیا ضرورت ہے ؟

صفات خدا :

امام (ع) نے انبیاء (ع) کی ضرورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا : "لمّا اثبتنا۔۔۔" یعنی جب ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ خدا ہے جو مندرجہ ذیل صفات کا مالک ہے

۱۔ "**انّ لنا خالقا صانعا**۔۔۔" ہمارا خدا ایسا ہے جو خالق بھی ہے اور صانع بھی (خلق) کے معنی کسی چیز کو مخصوص کیفیت ، وزن اور اندازہ کے ساتھ ایجاد کرنا ۲ اور (صنع) کہتے ہیں کسی کام کو نہایت مہارت ، اور علم و دقّت کے ساتھ انجام دینا۔ ۳

۲۔ (**متعالیا عنّا و عن جمیع ما خلق** " ذات اور صفات کے اعتبار سے ہم سے کسی بھی طرح شباہت نہیں رکھتا اور ہم سے اور تمام مخلوق سے برتر ہے

۳۔ " **وکان ذلک الصانع حکیما**" وہ صانع حکیم ہے اور اسکے کام لغو و عبث اور بیہودہ نہیں ہیں

۴۔ " **متعالیا لم یجز ان یشاھدہ خلقه ، ولا یلا مسوہ فلیباشرھم ویباشروہ ویحاجھم ویحاجّوہ**" "لم یجز" متعالیا کے لیے صفت توضیحی ہے ۴

(ایسا خدا ہے کہ) برتر ہے یعنی جائز نہیں کہ اس کی مخلوق اسے دیکھے اور اسے چھوئے ، یا اس سے انکی ملاقات ہو ، یا اسکی ان سے ملاقات ہو۔ یا یہ ممکن نہیں کہ وہ ان سے بحث و مباحثہ کرے یا وہ اس سے بحث و مباحثہ یا گفتگو کرے

"لم یجز" جائز نہیں ہے یہ عدم جواز ، تکوینی ہے نا کہ تشریعی جس کے معنی "لا یمکن کے ہیں دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ بشر ہر گز اپنے ربّ سے کسی بھی قسم کا لمسی اور حسی رابطہ برقرار نہیں کر سکتا اور دوسری طرف یہ کہ انسان کلام ، سخن اور حس و مشاہدہ کے علاوہ نہ گفتگو کر سکتا اور نا رابطہ برقرار کر سکتا ہے لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ خدا اور انسان کے درمیان کوئی رابطہ

۱۔ یہ ثابت کرنا عقل کے ذریعہ سے ہے نا کہ نقل کے ذریعہ سے کیونکہ نقل کے ذریعہ ثابت کرنے سے دور لازم آتا ہے یعنی نبوت کا ثابت ہونا واجب الوجود کے وجود کے ثابت ہونے پر متوقف ہے تو اگر واجب الوجود کا ثابت ہونا بھی انبیاء کے اقوال پر متوقف ہو تو اس کا مطلب "توقف الشیء علی نفسه " ہے جو باطل ہے

۲۔ التحقیق فی کلمات القرآن الکریم : مادہ " خلق "

۳۔ مدرک سابق : " صنع "

۴۔ مراۃ العقول : ج ، ۲ ص ۲۵۷

ہونا چاہیے جس کے وسیلہ سے انسان اپنے پروردگار سے رابطہ برقرار کرسکے اور یہ رابطہ خدااور اسکے بندوں کے درمیان واسطہ فیض ہے

حجت خدا کی ضرورت

امام (ع) خدااور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ کی ضرورت کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں "ثبت انّ لہ سفراء " فی خاقہ " ثبت "لمّا" کا جواب ہے یعنی جب یہ ثابت کردیا کہ بشر حواس ظاہری کے ذریعہ خدا سے رابطہ برقرار نہیں کرسکتا تو یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ اس کی طرف سے اسکی مخلوق میں مندرجہ ذیل صفات و خصوصیات کے حامل افراد ہونے چاہییں۔

۱۔**یعبّرون عنه الی خلقه وعبادہ**" اگر" **یعبرون** "ثلاثی مجرّد ہو تو یہ عبور اور مرور کے معنی میں ہے، یعنی اس سے عبور کرے اور اسکی مخلوق کی طرف سفر کرے، اور اسکے اوامر ونواہی کو اسکی مخلوق تک پہنچائے اور اگر **یعبّرون** "ثلاثی مذید باب تفعیل سے ہو تو اس کے معنی تفسیر کے ہیں یعنی خداوند عالم کی مراد کو لوگوں کے لیے تفسیر کرے

۲۔ " **ویدلّونهم علی مصالحهم و منافعهم وما به بقاؤهم وفی ترکه فناؤهم** " (**یدلّون**) کا مادہ "دلی" ہے جس کے معنی رہنمائی اور ہدایت کے ہیں یعنی انکی انکے منافع اور مصالح اور جو چیزیں انکی بقاء اور انکا چھوڑنا انکی فنا اور نابودی کا باعث ہے انکی طرف انکی رہنمائی اور ہدایت کرے البتہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ ان مصالح اور مفاسد کا تعلق دنیاوی امور سے ہو یا اخروی امور سے

اس کے بعد امام (ع) فرماتے ہیں: **فثبت الامرون والنّاهون عن الحکیم العلیم فی خلقه والمعبّرون عنه جلّ وعزّ**" پس (اس دلیل کی بناپر) امر اور نہی کرنے والوں کا وجود خداوند کی طرف سے اسکی مخلوق کے درمیان اور اسکی طرف سے اسکی مراد کی تفسیر کرنے والوں کا وجود ثابت ہوجاتا ہے، اس کے بعد امام (ع) ان امر اور نہی کرنے والوں کے مصادیق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **هم الانبیاء (ع) وصفوته من خلقه**" یہ لوگ انبیاء اور خدا کی مخلوق میں سے اسکے برگزیدہ بندے ہیں"

(صَفو) کسی چیز کی خالص (چیز) ۵

۵۔مصباح المنیر 'مادہ صفو"

"**حكماء مؤدّبين بالحكمة ، مبعوثين بها**" یہ افراد حکمت کے ساتھ تربیت یافتہ اور حکمت کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔

انبیاء اس سے پہلے کہ لوگوں کی تربیت کریں وہ خود تربیت یافتہ ہوتے ہیں حضرت امام جعفر صادق (ع) پیغمبر اسلام (ص) کے بارے میں فرماتے ہیں: **انّ الله عزّ وجلّ ادّب نبیه فاحسن ادبه فلمّا اکمل له الادب قال: " وانّک لعلی خلق عظیم " 6ثمّ فوّض الیه امر الدین والامة لیسوس عباده ، فقال عزّ وجل : (وما اتاکم الرّسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا۔۔۔)** ۷۔۸

خداوند متعال نے پیغمبر اسلام (ص) کی تربیت کی اور کیا خوب تربیت کی اور جب آپ (ص) کی تربیت مکمل ہو گئی تو فرمایا: آپ اخلاق کے عظیم درجے پر فائز ہیں " اسکے بعد دین اور امّت کے امور کو آپ کے حوالے کیا تاکہ آپ انکے امور کی تدبیر کریں اور پھر (امّت سے خطاب کرتے ہوئے) فرمایا: "جو کچھ رسول تمھیں دیں لے لو اور جس چیز سے روکیں رک جاؤ۔

۳۔"**غیر مشارکین للنّاس علی مشارکتهم لهم فی الخلق والتّرکیب فی شیء من احوالهم**" اگرچہ خلقت اور ظاہری بناوٹ میں لوگوں کی طرح ہیں لیکن حالات واخلاق (تقدّس، وتقرّب اور کمالات) میں ان سے جدا ہیں۔

۴۔" **احوالهم مؤیّدین من عند الحکیم العلیم بالحکمة**"خداوند علیم وحکیم کی طرف سے حکمت کے ساتھ تربیت یافتہ ہیں۔

یعنی کوئی کلام اپنی طرف سے نہیں کرتے جو کلام بھی کرتے ہیں وہ خدا کی طرف سے کرتے ہیں جیساکہ قرآن کریم پیغمبر اسلام کے بارے میں فرماتا ہے: (وماینطق عن الھوی۔ان ھوالّا وحی یوحی) ۹ وہ ھوی وھوس سے بات نہیں کرتے بلکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ وحی الہی ہے"

۶، سورہ مبارکہ قلم آیہ ۶

۷۔ سورہ مبارکہ حشر آیہ ۷

۸۔اصول کافی ج ۱، ص ۲۶۶

۹۔ سورہ نجم آیات ۳۔۴

امام (ع) ان مقدمات کو بیان کرنے کے بعد ہر زمانے میں انبیاء کی ضرورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں : **ثبت ذلک فی کلّ دهر وزمان ممّا اتت به الرّسل ولانبیاء من الدّلائل ولبراهین** "ہر زمانے میں انبیاء کاآنا انبیاء کے لائے ہوئے دلائل اور معجزات کے ذریعہ ثابت ہو جاتا ہے"

یعنی ان دلائل کی روشنی میں جو انبیاء کی ضرورت کے سلسلہ میں بیان کیے جا چکے ہیں انبیاء اور حجت خدا کے ہر زمانے میں ہونے پر دلالت کرتے ہیں لیکن ایسے افراد کی شناخت کہ جو نبوت کا دعوی کرتے ہیں ،براہین اور معجزہ کے ذریعہ ہونی چاہیے ،تاکہ انبیاء واقعی کو جھوٹے انبیاء سے پہچانا جاسکے۔

زمیں کا حجت خدا سے خالی ہونا

امام (ع) ہر زمانے میں انبیاء کی ضرورت کی علّت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **لکیلا تخلوا ارض الله من حجــة**" تاکہ خدا کی زمین حجت خدا سے خالی نا ہو" کیونکہ جب تک زمین باقی ہے اور انسان اس زمین پر زندگی گزار رہے ہیں تو انکے درمیان خدا کی حجت کا ہو نا ضروری ہے ،تاکہ وہ انکی خدا کی طرف رہنمائی کرے، جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق (ع) سے منقول ہے: لولم یبق من اهل الارض الّا اثنان لکان احد هما الحجة۔ ۱۰

اگر خدا کی زمین پر دوآدمی بھی باقی رہ جائینگے تو ان میں سے ایک خدا کی حجت ہو گا۔

نیز جب سلیمان جعفری نے حضرت امام علی رضا (ع) سے سوال کیا کہ کیا زمین حجت خدا سے خالی ہو سکتی ہے ؟

توآپ (ع) نے فرمایا: لوخلت الارض طرفه عین من حجة لساخت باهلها۔ ۱۱ اگر زمین ایک لمحہ کے لیے بھی حجت خدا سے خالی ہو جائے تو اپنے رہنے والوں کے ساتھ نابود ہو جائے گی۔

یعنی زمین حجت خدا کے بغیر اپنے اوپر ایک لحظہ کے لیے بھی گناہ گار شخص کو برداشت نہیں کرتی

حجت خدا کی نشانی

حدیث کے باقی حصہ میں امام صادق (ع) حجت خدا کی نشانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **یکون معه علم یدلّ علی صدق مقالته و جواز عدالته** " انکی گفتار کی صداقت اور عادلانہ طریقہ کار پر ان کا علم دلالت کرتا ہے

۱۰۔ کمال الدّین: ص ۲۰۳

۱۱۔ بصائر الدرجات ص ۵۰۹

(علم) جو حجت کے لیے صفت ہے اگر اسے عین اور لام پر زبر کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ نشانی اور علامت کے معنی میں ہے یعنی خدا کی زمین ایسی حجت سے ہر گز خالی نہیں ہو گی جسکی عدالت اور اسکے قول کی صداقت پر کوئی علامت اور نشانی موجود ہو

اور اگر "علم" عین کے نیچے زیر اور لام پر سکون ہو تو یہ علم و دانش کے معنی میں ہے یعنی خدا کی زمین ایسی حجت سے، ہر گز خالی نہیں ہو گی جسکی عدالت اور اسکے قول کی صداقت پر اس کا علم دلالت کرے

اس حدیث سے چند نکات کا استفادہ ہوتا ہے:

۱۔ کائنات کا ایسا خالق و صانع ہے جو اپنی کسی بھی مخلوق سے شباہت نہیں رکھتا

۲۔ یہ خالق و صانع رؤیت، تجسیم، کسی بھی قسم کے مادی تعلق، جسمی اوصاف سے کہ جو مخلوق کے ساتھ مخصوص ہیں (جیسے حواس خمسہ) منزّہ ہے

۳۔ خداوند متعال نے اپنے اپنی مخلوق کے درمیان وسیلے قرار دیئے ہیں۔

۴۔ انبیاء کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ خدا اور اسکے بندوں کے درمیان وسیلہ ہیں جو راہ سعادت کی طرف انکی رہنمائی کرتے ہیں

۵۔ امام (ع) نے انبیاء (ع) کے ساتھ "صفوتہ" کا ذکر کیا اور فرمایا: **ثبت ذلک فی کلّ دھر وزمان۔۔۔لکیلا تخلوا ارض اللہ من حجة۔۔۔** "اس سے آپ (ع) نے امام معصوم کے وجود اور اسکی خلافت شرعیہ کو ثابت کیا ہے۔

سوالات:

۱۔ اس عبارت "**انّ لنا خالقا صانعا متعالیا عنّا وعن جمیع ما خلق، وکان ذلک الصانع حکیما متعالیا**" کی وضاحت کریں

۲۔ **یعبّرون عنه الی خلقه وعباده**" میں جو دو احتمالی صورتیں پائی جاتی ہیں ان کے مطابق اس کی وضاحت کریں

۳۔ "**ویدلّونهم علی مصالحهم و منافعهم۔۔۔**" کی وضاحت کریں

۴۔ "**حکماء مؤدّبین بالحکمة، مبعوثین بها**" اس عبارت کی روشنی میں انبیاء کی تربیت کی وضاحت کریں

۵۔ اس عبارت "**غیر مشارکین للنّاس علی مشارکتهم لهم فی الخلق والتّرکیب فی شیء من احوالهم**" کا دقّت سے ترجمہ کیجیے

۶۔: **یکون معه علم یدلّ علی صدق مقالته و جواز عدالته**" میں جو دو احتمالی صورتیں پائی جاتی ہیں ان کے مطابق اس کی وضاحت کریں

مشق

مندرجہ ذیل احادیث کا سند اور متن کے حوالے سے جائزہ لیں

۱۔ علی بن ابراھیم، عن ابیه عن حمّاد بن عیسی، عن حریز عن زرارہ عن ابی جعفر (ع) قال: ذروة الامر وسنامه۔ ومفتاحه و باب الاشیاء ورضا الرّحمٰن تبارک وتعالی الطّاعة للامام بعد معرفته ثمّ قال: انّ اللہ تبارک وتعالی یقول" من یطع الرّسول فقد اطاع اللہ ومن تولّی فما ارسلناک علیھم حفیظا"

۲۔ الحسین بن محمد الاشعری عن معلّی بن محمد عن الحسن بن علی الوشاء عن ابان بن عثمان عن ابی الصباح قال: اشھد انّی سمعت ابا عبداللہ (ع) یقول: اشھد انّ علیّا امام فرض اللہ طاعته وانّ الحسن امام فرض اللہ طاعته وانّ الحسین امام فرض اللہ طاعته وانّ علیّ بن الحسین امام فرض اللہ طاعته وانّ محمد بن علی امام فرض اللہ طاعته۔

وبھذا الاسناد عن معلّی بن محمد عن الحسن بن علی قال حدّثنا حمّاد بن عثمان عن بشیر العطّار قال: سمعت ابا عبداللہ (ع) یقول: نحن قوم فرض اللہ طاعتنا وانتم تأتمّون بمن لا یعذر النّاس بجھالته۔

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«چوبیسواں سبق»

رہبر کی ضرورت (۲)

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

رہبر کی ضرورت (۲)

دوسری حدیث:

محمد بن اسماعیل ،عن الفضل بن شاذان عن صفوان بن یحیی ،عن منصور بن حازم ،قال: قلت لابی عبداللہ (ع) 1 انّ اللہ ا جلّ واکرم من ان یعرف بخلقه بل الخلق یعرفون باللّٰہ ۔

قال: صدّقت

قلت: انّ من عرف انّ له ربّاً فینبغی له ان یعرف انّ لذلک الرّبّ رضاًوسخطاً وانّه لا یعرف رضاہ وسخطه الّا بوحی او رسول فمن لم یأته الوحی فقد ینبغی له انّ یطلب الرّسل فاذا لقیهم عرف انّهم الحجة وانّ لهم الطّاعة المفترضه ۔

وقلت للنّاس : تعلمون انّ رسول اللہ (ص) کان هو الحجة من اللہ علی خلقه؟

قالوا بلی ۔

قلت : فحین مضی رسول اللہ (ص) من کان الحجة علی خلقه؟

فقالوا: القرآن ۔

فنظرت فی القرآن ،فاذا هو یخاصم به المرجی والقدریّ والزنّدیق الذی لا یو من به حتّی یغلب الرّجال بخصومته ،فعرفت انّ القرآن لا یکون حجة الّا بقیّم فما قال فیه من شیء کان حقاً؛ فقلت لهم : من قیّم القرآن ؟

فقالوا: ابن مسعود قد کان یعلم وعمر یعلم وحذیفة یعلم

ا۔مرحوم کلینی نے صدر روایت کو کتاب توحید کے ،باب "انہّ لایعرف الاّ بہ " میں نقل کیا ہے جس سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ عبارت "انّی ناظرت قومافقلت لھم " اس روایت کی ابتداء سے حذف ہو گئی ہے۔

قلت: کلّه ؟ قالوا :لا

فلم اجد احدا یقال : انّه یعرف ذلک کلّه الّا علیّا (ع) واذا کان الشی ء بین القوم فقال هذا : لا ادری وقال حذا : لا ادری وقال حذا : لاادری وقال هذا : انا ادری فاشهد انّ علیّا (ع) کان قیّم القرآن وکانت طاعته مفترضه وکان الحجة علی النّاس بعد رسول الله (ص) وانّ ما قال فی القرآن فهوحق ۔

اصول کافی ج۱ص ۱۶۹ح ۲

شرح: اس روایت میں منصور بن حازم جو حضرت امام جعفر صادق (ع) کے صحابی اور فقھاء شیعہ میں سے ہیں یا معرفت خدا کے حوالے سے اپنا عقیدہ امام (ع) کے سامنے بیان کر رہے ہیں ، یا لوگوں سے جو آپ کا مناظرہ ہوا تھا اسے امام کے لیے نقل کر رہے ہیں۔آپ فرماتے ہیں: **انّ الله اجلّ واکرم من ان یعرف بخلقه بل الخلق یعرفون بالله ۔**

یقینا خداوند متعال اس چیز سے بالاتر ہے کہ وہ مخلوق کے ذریعہ پہچانا جائے بلکہ یہ مخلوق ہیں جو اسکے ذریعہ سے پہچانی جاتی ہیں۔

ادبی بحث: اس عبارت کے معنی میں دو احتمال پائے جاتے ہیں۔

۱۔ " خلق " یعنی مخلوق ، " یعرفون " فعل مجھول ہے، اس صورت میں معنی یہ ہونگے کہ خداوند متعال اس سے ، بالاتر ہے کہ وہ اپنی مخلوق (یعنی انبیاء اوآئمہ (ع) کی تعریف سے پہچانا جائے۔ کیونکہ وہ خود اول الاشیاء (سب سے پہلے) اور اظھر البراھین (واضح ترین برہان) ہے بلکہ یہ مخلوق ہے جو خدا کے ذریعہ پہچانی جائے، یعنی انکی رسالت وامامت اس علم اور ، معجزہ کے وسیلہ سے پہچانی جاتی ہے جو خدا نے انھیں عطا کیا ہے اور انکی تائید کی ہے۔

۲۔ " خلق " یعنی مخلوق ، " یعرفون " فعل معلوم ہے، اس صورت میں معنی یہ ہونگے کہ خداوند متعال اس سے ، بالاتر ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی تعریف ورہنمائی سے پہچانا جائے بلکہ خدا کی مخلوق خدا کو خود اسکے اپنے ذریعہ پہچانتی ہے یعنی بندگان خدا کی دی ہوئی توفیق اور ہدایت کے ذریعہ خدا کو پہچانتے ہیں شاید حضرت امام سید سجاد اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

بک عرفتک وانت دللتنی علیه ودعوتنی الیک ولولا انت لم ادر ما انت "[۲] میں نے تیرے ہی وسیلہ سے تجھے پہچانا ہے اور تو نے خود میری رہنمائی کی ہے اور مجھے اپنی طرف بلایا ہے اور تو نا ہوتا تو میں ہر گز نا جانتا کہ تو کون ہے "

نیز فرماتے ہیں :

۲۔ دعای ابو حمزہ ثمالی ، اقبال الاعمال : ج ۱ص ۱۵۷

یا غفّار بنورک اهتدینا۔ ۳

اے بخشنے والے تیرے ہی نور کے ذریعہ ہدایت پائی ہے۔

نیز قرآن کریم میں ارشاد ہے:

" انّک لا تهدی من احببت ولکن الله یهدی من یشاء " 4

"در حقیقت آپ جسے پاہیں ہدایت نہیں کر سکتے لیکن خدا جسے چاہے (اور لائق سمجھے) اس کی ہدایت کرتا ہے۔

امام (ع) نے منصور بن حازم کی معرفت خدا کے حوالے سے گفتگو سنی اور اسکی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا: "صدقت "تم نے سچ کہا"

اسکے بعد منصور اپنی بات کو جارے رکھتے ہوئے فرماتے ہیں: : **انّ من عرف انّ له ربّا فینبغی له ان یعرف انّ لذلک الرّبّ رضاًوسخطا**" یقینا جو اس بات کو جانتا ہے کہ اس کا کوئی پروردگار ہے تو وہ اس بات کو بھی جان لے کہ وہ پروردگار خوش اور ناراض بھی ہوتا ہے، یعنی خدا کو اسکی صفات کمال کے ذریعہ پہچانا جائے اور ہر نقص سے اسے منزّہ کیا جائے، کہ وہ صاحب حکمت، علم وقدرت اور نیک ارادوں کا مالک ہے، شرّ سے اسے نفرت ہے وہ کسی بھی نیک اور کام کو نہیں چھوڑتا اور کسی بھی برے کام کو انجام نہیں دیتا وہ نیکی کا حکم دیتا ہے کہ کو جو اسکی رضا اور اطاعت کا سبب ہے، اور برے کاموں سے روکتا ہے کہ جو اسکی ناراضگی اور نافرمانی کا سبب ہیں

اسکے بعد منصور خدا کی خوشنودی اور ناراضگی کی شناخت کی راہوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: **وانّه لا یعرف رضاه وسخطه الّا بوحی او رسول**" اور یقینا خدا کی خوشنودی اور اس کی ناراضگی کو نہیں پہچانا جاسکتا مگر وحی اور اسکے رسول کے ذریعہ

یعنی یا تو انسان خود رسول ہے کہ اس پر وحی ہوتی ہے ، یا پھر رسول نہیں ہے اور امت کا ایک فرد ہے تو اس صورت میں اس اسے چاہیے کہ رسول کے ذریعہ اس سے مطلع ہو۔ اور اگر کوئی وحی کے بارے میں اطلاع نہ رکھتا ہو تو اسے یقینا رسول کی جستجو میں ہونا چاہیے، اگر اس نے انھیں دیکھ لیا اور اس بات کو جان لیا کہ یہ حجت خدا ہیں تو اس صورت میں اسپر انکی اطاعت واجب ہے،

۳۔ مدرک سابق ص ۱۶۲

۴۔ سورہ مبارکہ قصص آیت ۵۶

اسکے بعد منصور اپنے مناظرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: میں نے لوگوں (اہل سنّت اور مخالفین ولایت اہل بیت (ع)) سے کہا "**تعلمون انّ رسول الله (ص) كان هو الحجة من الله على خلقه؟** کیا تم جانتے ہو کہ رسول خدا (ص) خدا کی جانب سے اسکی مخلوق پر حجت ہیں؟ (اور انکی رسالت قطعی دلائل کے ذریعہ تمام لوگوں کے نزدیک مورد قبول ہے؟)

انھوں نے کہا جی ہاں۔

ابن حازم کہتے ہیں میں نے کہا: **قلت: فحين مضى رسول الله (ص) من كان الحجة على خلقه؟** پس جب رسول خدا (ص) رحلت فرماگئے تو پھر انکے بعد حجت خدا کون ہے؟

انھوں نے کہا: قرآن (یعنی لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے قرآن کافی ہے)

اہل سنّت کا یہ کلام درحقیقت خلیفہ دوم کی پیروی کا نتیجہ ہے کہ جب پیغمبر اسلام (ص) نے اپنی عمر کے آخری ایّام میں ارشاد فرمایا:

"**هلمّوا اكتب لكم كتابا لا تضلّوا بعده**؛ آؤ کہ میں تمھارے لیے ایسی دستاویز لکھ دوں کی اس کے بعد گمراہ نہیں ہوگے۔

عمر نے کہا: **انّ رسول الله (ص) قد غلبه الوجع وعندكم القرآن حسبنا كتاب الله** "۵

منصور بن حازم کہتے ہیں کہ میں نے اس کے بعد قرآن پر نظر کی تو دیکھا کہ ہر گروہ اپنی حقانیت کے لیے قرآن سے استدلال کرتا ہے:

فنظرت فى القرآن، فاذا هو يخاصم به المرجى والقدريّ والزنّديق الذى لا يو من به حتّى يغلب الرّجال بخصومته، فعرفت انّ القرآن لا يكون حجة الّا بقيّم فما قال فيه من شيء كان حقا؛ میں نے قرآن کی طرف نگاہ کی تو دیکھا مرجئہ، قدریہ (یہاں تک کہ) زندیق کہ جو (خدا پر) ایمان نہیں رکھتے (اپنے دعوے کے اثبات کے لیے قرآن سے استدلال کرتے ہیں، تاکہ اپنے دشمنوں پر غلبہ پاسکیں، لہٰذا میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ قرآن حجت نہیں ہے۔ مگر یہ کہ (خدا کی طرف سے ۶) قرآنی آیات کے ظاہر باطن، مجمل ومبیّن محکم و متشابہ اور ناسخ اور منسوخ کی شناخت کے لیے ایک نگراں ہونا چاہیے کہ جو وہ کہے صرف وہی حق ہے اور بس"

"**مرجئہ**" مسلمانوں کا ایک ایسا گروہ ہے جو اس بات کا عقیدہ رکھتا ہے کہ اگر ایمان نا ہو تو پھر گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچاتا، جیساکہ اگر انسان کافر ہو تو اس کی کوئی نیکی اسے فائدہ نہیں پہنچائیگی، ان کو مرجئہ کہنے کی علّت یہ ہے کہ خداوند متعال نے ان کے عذاب

۵۔ صحیح بخاری: ج ۷ ص ۹

۶۔ مراۃ العقول: ج ۲ ص ۲۶۴

اور گناہوں کی سزا کو آخری وقت کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ یا پھر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ امیر المؤمنین اپنے رتبہ سے نیچے رتبہ پر فائز ہیں

"**قدریہ**" یہ "قدر" کا اسم منسوب ہے، قاعدہ کے مطابق ان لوگوں کو کہا جا۔ نا چاہیے تھا کہ جو قضاء و قدر کا عقیدہ رکھتے ہوں لیکن ان لوگوں کو کہا جاتا ہے کہ جو "قدر" کی کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: انسان اپنی فکر اور عمل میں مخیّر ہے، اسی لیے انکے مخالفین انھیں قضا و قدر کی نفی کرنے والے کہتے ہیں۔ ۷

اسی لیے یہ لفظ جبر و تفویض دونوں پر عقیدہ رکھنے والے لوگوں کے لیے استعمال ہوا ہے

"**زندیق**" یہ وہ افراد ہیں جو دو خداؤں پر یقین رکھتے ہیں اور خیر و شرّ کے لیے جدا جدا سر چشمے کے قائل ہیں

منصور کہتے ہیں جب اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ قرآن کے لیے ایک نگراں (مفسّر و مبیّن) کا ہو نا ضروری ہے تو میں نے ان سے کہا "من قیّم القرآن؟ قرآن کا نگراں کون ہے؟

انھوں نے کہا؟: "**ابن مسعود قد کان یعلم وعمر یعلم وحذیفة یعلم**؛ (عبداللہ) بن مسعود قرآن کو جانتے ہیں عمر بھی جانتا تھا، حذیفہ بھی جانتے ہیں"

میں نے ان سے کہا کیا تمام قرآن کو جانتے تھے؟

انھوں نے کہا: (یعنی وہ تمام قرآن کو نہیں جانتے تھے)

پس میں نے بھی سوائے علی (ع) کے کسی کو پورے قرآن کا عالم نہیں پایا

یہ بات کہ حضرت علی (ع) پورے قرآن کے عالم ہیں شیعوں کے علاوہ اہل سنّت بھی اس پر عقیدہ رکھتے ہیں اور اسکے معترف ہیں چنانچہ ابی الطفیل عامر بن واثلہ نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: کہ میں اس بات کا شاہد ہوں کہ علی (ع) خطبہ دیتے ہوئے فرمارہے تھے: **سلونی، فواللہ لا تسالونی عن شیء یکون الی یوم القیامه الاّ حدّثتکم به، وسلونی عن کتاب اللہ، فواللہ ما من آیة الاّ وانا اعلم ابلیل نزلت ام بنهار ام فی سهل ام فی جبل**۔ ۸

۷۔ رجوع فرمائیں: امذاہب الاسلامیہ، ص ۸۷

۸۔ طبقات الکبری: ج۲ ق ۲ ص ۱۰۱؛ تھذیب التھذیب ج ۷ ص ۳۳۷۔ فتح الباری: ۱۰۔ ص ۲۲۱ حلیة الاولیاء: ج ۱ ص ۶۷، کنز العمال ج ۱ ص ۲۲۸

"مجھ سے پوچھو،خدا کی قسم اگر مجھ سے قیامت تک پیش آنے والے حالات وواقعات کے بارے میں پوچھوگے تو میں تمھیں ان سے باخبر کرونگا، مجھ سے کتاب خدا کے بارے میں پوچھو خدا کی قسم کوئی آیت ایسی نہیں جسے میں نہیں جانتا کہ وہ رات میں نازل ہوئی ہے یا دن میں ، صحراء میں نازل ہوئی ہے یا پہاڑ پر

اس کے بعد منصور بن حازم (غور وفکر کے ساتھ) اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں : **واذا کان الشی ء بین القوم فقال هذا : لا ادری وقال حذا : لا ادری وقال هذا : لاادری وقال هذا : انا ادری فاشهد انّ علیّا (ع) کان قیّم القرآن وکانت طاعته مفترضه وکان الحجة علی النّاس بعد رسول الله (ص) وانّ ما قال فی القرآن فهو حق۔**

"اگر لوگوں کے درمیان کوئی مسالہ پیش آجائے توان میں سے یہ ا، یک کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا،وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا،اور دوسرا شخص کہتا ہے میں نہیں جانتا،لیکن ان میں سے ا، یک (علی (ع)) کہتا ہے میں جانتا ہوں، پس ایسے میں دیتا ہوں کہ علی (ع) قرآن کے نگراں (مبین و مفسر) ہیں وہ جو بات بھی قرآن کے بارے میں کہیں وہی حق ہے'

حضرت امام جعفر صادق (ع) نے منصور بن حازم سے یہ مناظرہ سننے کے بعد دعا کی اور فرما، یا: رحمک اللہ؛خداتم پر رحمت کرے"

جی ہاں،امام (ع) نے ولایت کے دفاع کی وجہ سے اس کے حق میں دعا بھی کی اور اسکے عقائد کی تائید بھی فرمادی۔

سوالات

۱۔ " انّ اللہ اجلّ واکرم من ان یعرف بخلقه بل الخلق یعرفون باللہ " میں پائی جانے والی دو احتمالی صورتوں کے پیش نظر اس کا ترجمہ کریں

۲۔"وانّه لایعرف رضاه وسخطه الّا بوحی اور رسول " کی وضاحت کریں

۳۔اہل سنّت کا یہ کہنا کہ رسول خدا کے بعد لوگوں پر قرآن حجت ہے یہ کس کی پیروی ہے ؟ وضاحت کریں

۴۔ " مرجئہ " " قدریہ " اور "زندیق" کے بارے میں توضیح دیں

۵۔اہل سنّت کے نزدیک حضرت علی (ع (کے پورے قرآن کے علم کے بارے میں نظریہ کو بیان کریں

۶۔ "منصور بن حازم سے کیے گئے خطاب "رحمکَ اللہ" کے کیا معنی ہیں؟

مشق

مندرجہ ذیل احادیث کا سند اور متن کے حوالے سے جائزہ لیں

۱۔ محمد بن یحییٰ، عن احمد بن محمد، عن الحسین بن سعید عن حمّاد بن عیسی عن الحسین بن المختار، عن بعض اصحابنا، عن ابی جعفر (ع) فی قوْل اللہ عزّ و جلّ "واتیناھم ملکا عظیما" قال: الطّاعۃالمفروضہ۔

۲۔ عدّۃ من اصحابنا۔ عن احمد بن محمد عن محمد بن سنان، عن ابی خالد القماط عن ابی الحسن العطّار قال: سمعت ابا عبداللہ (ع) یقول: اشرک بین الاوصیاء والرّسل فی الطاعۃ۔

۳۔ احمد بن محمد عن محمد بن ابی عمیر عن سیف بن عمیرہ عن ابی الصبّاح الکنانی، قال ابو عبداللہ (ع) نحن قوم فرض اللہ عزّوجل طاعتنا لنا الانفال ولنا صفوُ المال و نحن الراسخون فی العلم و نحن المحسودون الذین قال اللہ "ولم یحسدون الناس علی ما اٰتاھم من فضلہ"

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«پچیسواں سبق»

عنوان

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

رہبر کی ضرورت (۳)

تیسری حدیث:

علی بن ابراهیم ،عن ابیه ،عن الحسن بن ابراهیم ، عن یونس بن یعقوب ،قال: کان عندابی عبدالله (ع) جماعة من اصحابنا منهم حمران بن اعین ومحمد بن النعمان و هشام بن سالم والطیار ،و جماعة فیهم هشام بن الحکم وهو شاب

فقال ابو عبدالله (ع) : یا هشام ! الا تخبرنی کیف صنعت بعمرو بن عبید ؟ و کیف سالته ؟ فقال هشام :یا ابن رسول الله انی اجلّک واستحّییک ولا یعمل لسانی بین یدک

فقال ابو عبدالله اذا امرتکم بشیء فافعلوا۔

قال: هشام : بلغنی ما کان فیه عمرو بن عبید وجلوسه فی مسجد البصره فعظم ذلک فخرجت الیه و دخلت البصره یوم الجمعة ،فأتیت مسجد البصره فاذا انا بحلقه کبیره فیها عمروبن عبید ،وعلیه شملة سوداءمتّزرا بها من صوف ،وشملة مرتدیا بها ،والناس یسالونه فاستفرجت النّاس فافرجوا لی ثمّ قعدت فی آخر القوم علی رکبتی ثمّ قلت: ایّها العالم ! انّی رجل غریب تاذن لی فی مسالة ؟ فقال لی :نعم فقلت له: الک عین ؟ یا بُنیّ ای شیء هذا من السوال ؟ وشی ء تراه کیف تسال عنه؟

فقلت :هکذا مسالتی ۔فقال یا بنیّ سل وان کانت مسالتک حمقاء

قلت : اجبنی فیها قال: لی سل ۔

قلت : الک عین ؟ قال نعم قلت :فما تصنع بها ؟ قال : اری بها الالوان و الاشخاص

قلت : فلک انف؟ قال: نعم ،قلت فما تصنع به؟ قال : اشمّ به الرائحه

قلت : الک فم؟ قال نعم قلت :فما تصنع به ؟ قال :اذوق به الطعام

قلت :فلک الاذن؟ قال نعم قلت :فما تصنع بھا ؟قال :اسمع بھا الصوت

قلت : الک قلب؟ قال نعم قلت :فما تصنع به ؟قال : امیّز بی کلّ ما وردعلی ھذہ الجوارح والحواس

قلت : الیس فی ھذہ الجواری غنی عن القلب ؟ فقال: لا قلت :وکیف ذلک وھی صحیحۃ سلیمه ؟ قال : یا بنی انّ الجوارح اذا شککت فی شیء شمتّه اور اته او ذاقته او سمعته ردّته الی القلب فیستیقن الیقین ویبطل الشک۔

قال : ہشام قلت له : انّما اقام الله القلب لشّک الجوارح ؟ قال نعم قلت :لا بدّ من القلب والّا لم یستیقن الجوارح؟ قال نعم ۔

فقلت له: یا ابا مروان فالله تبارک وتعالی لم یترک جوارحک حتی جعل لھا اماما یصحّح لھا الصیح و یتیقن به ماشک فیه ویترک ھذا الخلق کلھم فی حیرتھم و شکھم و اختلافھم لا یقیم لھم اماما یردّون الیه حیرتک وشکھم شکّکھم وحیرتھم ویقیم لک لجوارحک تردّ الیه حیرتک وشکّک ،قال: فسکت ولم یقل لی شیئا ،ثمّ التفت الیّ فقال لی: انت ھشام بن حکم ؟

فقلت :لا قال :امن جلسائه

قلت :لا قال: فمن این انت ؟

قال: قلت : من اھل الکوفة

قال :فانت اذا ھو : ثمّ ضمّنی الیه واقعدنی فی مجلسه وزال عب مجلسه وما نطق حتی قمت ،

قال :فضحک ابو عبدالله (ع) وقال :یا ھشام من علّمک ھذا ؟

قلت شیء اخذته منک والفته

فقال : ھذا والله مکتوب فی صحف ابراھیم و موسی ۔

اصول کافی ج ۱۔ ص ۱۷۰ ح ۳

شرح: یونس بن یعقوب کہ جو حضرت امام جعفر صادق (ع) کے اصحاب میں سے ہیں اور امام علی رضا (ع) کے زمانے تک زندہ رہے اور آپ (ع) کے امر کے مطابق آپ کا دفن وکفن ہوا اور جنّت البقیع میں سپرد خاک ہوئے ا، فرماتے ہیں: چند اصحاب جن میں حمران، ابن نعمان، ابن سالم، اور طیّار شامل ہیں حضرت امام صادق (ع) کی خدمت میں موجود تھے اور اسی طرح چند افراد ہشام بن حکم۔ کہ جو ابھی نوجوان تھے۔ کے ارد گرد جمع تھے، امام (ع) نے ہشام سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے ہشام کیا ہمیں نہیں بتاؤں گے کہ عمرو بن عبیدہ کے ساتھ کس طرح مباحثہ کیا اور تم نے اس سے کس قسم کے سوال کیے؟"

عمرو بن عبیدہ، معتزلی فرقہ کے بزرگان میں سے ایک ہے

ہشام بن حکم حضرت امام صادق (ع) کے بزرگ صحابی، عظیم الشان متکلم اور بحث امامت میں علم کلام کی بنیاد رکھنے والے ہیں فن مناظرہ میں آپ نہایت ماہر اور حاضر جواب تھے، ایک دفعہ آپ سے سوال کیا کہ کیا معاویہ جنگ بدر میں موجود تھا؟ تو آپ نے فورا کہا جی ہاں مگر اس طرف سے

ہشام بن حکم وہ ہیں جن کے حق میں امام جعفر صادق (ع) نے دعا کرتے ہوئے فرمایا: "ہمیشہ روح القدس کی تائیدات تمھارے ساتھ رہیں کہ تم نے کس قدر اپنی زبان سے ہماری مدد کی ہے"

نیز آپ (ع) نے ان کے بارے میں فرمایا: "وہ دل وزبان اور ہاتھ سے ہمارے یاور ومددگار ہیں"

نیز فرمایا: ہشام بن حکم ہمارے حق کو برپا کرنے والے، ہماری بات کو پہنچانے والے، اور ہماری سچائی کی تائید کرنے والے اور دشمنوں کی سازیشوں کو باطل کرنے والے ہیں ۲

ہشام ابن حکم نے امام (ع) کی خدمت میں عرض کی: **یا ابن رسول الله انّی اجلّک واستحّییک ولا یعمل لسانی بین یدیک:** اے فرزند رسول (ص) آپ کی عظمت وجلالت اس چیز کے مانع ہے، مجھے شرم آرہی ہے اور میری زبان کام نہیں کر رہی ہے"

لغوی بحث: (اجلک) مادہ "جلال" سے ہے اس کے معنی عظمت کے ہیں یعنی میں آپکی تعظیم کرتا ہوں ۳

ا۔ رجوع فرمائیں: معجم رجال الحدیث: ج:۲۱ ص ۲۳۸۔۲۳۹

۲۔ الامام الصادق (ع) ولمذاہب الربعہ: ج ا، ص ۱۰۰

۳۔ النھایہ: مادہ "جلل"

(استحییک) مادہ "حیاء" سے ہے یعنی نفس کی ضعف اور نقص سے حفاظت کرنا اور اسے ہر عیب سے دور رکھنا، اسکی ضد بے حیائی ہے۔

امام (ع) نے فرمایا: "**اذا امرتکم بشیء فافعلوا**" جب میں تمھیں کسی چیز کا حکم دوں تو اسے بجالاؤ"

یہ جو امام (ع) نے فرمایا ہے کہ اگر میں تمھیں حکم دوں، امام (ع) کا امر اس سے پہلے "الا" تحضیضیہ کے ذریعہ بیان ہو چکا ہے، اور یہاں امام (ع) کی مراد یہ ہے کہ امر کی اطاعت اجلال (بزرگی کا خیال رکھنا) اور استحیاء (شرمانے) سے زیادہ واجب ہے اور ممکن ہے کہ امر کی اطاعت اجلال اور استحیاء کے منافی نہ ہو بلکہ امر کی اطاعت خود اجلال اور استحیاء کا سرچشمہ ہو۔

"ہشام نے عرض کی: جب عمرو بن عبیدہ اور بصرہ کی مسجد میں اسکی مجلس کی کیفیت کی خبر مجھے ہوئی تو یہ بات مجھ پر گراں گذری، لہٰذا میں اس کے پاس گیا، جمعہ کے دن بصرہ پہنچا اور اسکی مسجد گیا تو میں نے دیکھا کہ لوگوں کا ایک ہجوم ہے اور عمرو بن عبیدہ، ان کے درمیان بیٹھا ہوا ہے کالا پٹکا کمر پر باندھا ہوا ہے اور عبا دوش پر ڈالی ہوئی ہے اور لوگ اس سے سوال کر رہے ہیں، میں نے لوگوں سے کہا کہ مجھے آگے جانے دوں تو انھوں نے مجھے آگے جانے دیا میں دوزانو ہو کر بیٹھ گیا اسکے بعد میں نے کہا کہ اے صاحب علم میں ایک مسافر ہوں کیا میں بھی سوال کر سکتا ہوں؟ اس نے کہا جی ہاں۔

میں نے اس سے کہا کہ کیا آپ کی آنکھیں ہیں؟

اس نے کیا بیٹا یہ کس قسم کا سوال ہے؟ جو چیز تم دیکھ رہے ہو اس کے بارے میں کس طرح سوال کر رہے ہو؟! میں نے کہا کہ میرا سوال اسی طرح کا ہے، اس نے کہا اچھا پوچھو، اگرچہ تمھارا سوال احمقانہ ہے[۴]۔ میں نے اس سے کہا آپ اسی کا جواب دے دیں، اس نے کہا ٹھیک ہے۔

میں نے اس سے کہا کیا تمھارے آنکھیں ہیں؟ اس نے کہا جی ہیں، میں نے اس کہا کہ اس سے کیا کام لیتے ہو؟ اس نے کہا کہ ان سے رنگوں اور لوگوں کو دیکھتا ہوں

میں نے کہا: کیا تمھارے ناک ہے؟ اس نے کہا جی ہے، میں نے کہا اس سے کیا کام لیتے ہو؟ اس نے کہا اس سے سونگھتا ہو۔

میں نے اس سے کہا کہ کیا تمھارے منہ ہے؟ اس نے کہا جی ہے۔ میں نے کہا اس سے کیا کام لیتے ہو؟ اس نے کہا کہ اس سے غذا کے مزے لیتا ہوں۔

۴۔ (حمقاء) احمق کی مونث ہے اس کا مادہ "حمق" ہے اس کے معنی کم عقلی اور رای اور نظر نیں کمزور ہونے کے ہیں

میں نے کہا کیا اپ کے کان ہیں ؟ کہا جی ہاں ، میں نے کہا ان سے کیا کام لیتے ہو ؟اس نے کہا اس سے آوازوں کو سنتا ہوں ۔

میں نے اس کہا، آپ کے دل ہے ؟اس نے کہا جی ہے میں نے اس سے کہا کہ اس سے کیا کام لیتے ہو ؟اس نے کہا کہ جو بھی اعضاء وحواس کو پیش آتا ہے یہ اس پر نظارت رکھتا ہے

میں نے اس سے کہا کیا اعضاء وجوارح کے ہوتے ہوئے دل کی ضرورت ختم نہیں ہو جاتی ؟ کہنے لگا نہیں

میں نے کہا کس طرح ؟ جبکہ اعضاء صحیح و سالم ہیں (انھیں دک کی کیا ضرورت) ؟اس نے کہا بیٹا جب بھی جسم کے اعضاء کسی چیز کو سونگھتے ہیں ،یا دیکھتے ہیں ،یا چکھتے ہیں ،یا سنتے ہیں اور اس میں تردید ،یا شک وشبھہ کا شکار ہو جائیں تو دل کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ ان کا شک یقین میں تبدیل ہو جائے

میں نے کہا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا نے دل کو اعضاء سے شک وتردید کو ختم کرنے کے لیے پیدا کیا ہے ؟اس نے کہا جی ہاں ، میں نے کہا پس دل کا ہونا ضروری ہے ورنہ اعضاء کو یقین حاصل نہیں ہو سکتا اس نے کہا جی ہاں ایسا ہی ہے ۔

میں نے کہا : اے ابو مروان (عمرو بن عبیدہ) خداوند متعال نے تیرے اعضاء کو بغیر ایسے امام کے نہیں چھوڑا کہ جو راہ صحیح کی تشخیص دے سکے اور شک کو یقین میں بدل دے لیکن اس پوری مخلوق کو اس نے بغیر امام کے چھوڑ دیا کہ سرگرداں ،تردیداور اختلاف کا شکار رہے اور انکے لیے امام بنا رکھا کہ وہ اپنی سرگردانی اور رفع اختلاف کے لیے اس کی طرف رجوع کریں ؟ جبکہ تمھارے اعضاء کے لیے امام بنادیا کہ تردید وشک کی صورت میں وہ اسکی طرف رجوع کریں ؟ (یہ سن کر) وہ خاموش ہو گیا ہے ۔اور کوئی جواب نا دیا اس کے بعد میری طرف متوجہ ہوا اور کہا : کیا تم ہشام بن حکم ہو ؟۵ میں نے کہا نہیں ۔اس نے کہا کیا تم اسکے ساتھیو میں سے ہو ؟ میں نے کہا نہیں ۔٦

اس نے کہا تم کہا کے رہنے والے ہو ؟ میں نے کہا کوفہ کا ۔

اس نے کہا پھر تم یقینا ہشام ہو ،اس کے بعد اس نے مجھے گلے سے لگا لیا اور اپنی جگہ پر بٹھا دیا اور خود وہاں سے ہٹ گیا اور جب تک میں وہاں بیٹھا رہا اس نے کوئی بات نہیں کی "اس کا یہ کام ، یا تو ہشام ابن حکم کے احترام کی خاطر تھا ۔جیسا کہ اہل علم وفضل کے درمیان یہ چیز رائج ہے ۔ یا پھر اس خوف سے کہ کہیں دوبارہ ایک بار پھر شکست سے دوچار نا ہو جائے ۔

حضرت امام جعفر صادق (ع) نے تبسم فرمایا اور کہا : "یا ہشام من علّمك هذا ؟" "اے ہشام یہ گفتگو تم نے کہا سے سیکھی ہے ؟

۵۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہشام اگرچہ نوجوان تھے مگر علمی اور مناظرہ کے حوالے سے مشہور ومعروف تھے

٦۔ان دو جوابوں کا تعلق باب توریہ سے ہے اور جھوٹ شمار نہیں ہوتے ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ نہیں میں تجھے نہیں بتانا چاہتا۔

میں نے کہا یہ وہ چیز ہے جو میں نے آپ سے سنی تھی صرف اسے اپنے لحاظ سے مرتب کر لیا تھا۔

آپ (ع) نے فرمایا: "ھذا واللہ مکتوب فی صحف ابراھیم و موسی؛ خدا کی قسم یہ بات صحف ابراہیم اور موسی میں لکھی ہوئی ہے۔

سوالات

۱۔ ہشام ابن حکم کی شخصیت پر مختصر سی روشنی ڈالیں؛

۲۔ حضرت امام جعفر صادق (ع) کی اس عبارت "**اذا امرتکم بشیء فافعلوا**" سے کیا مراد ہے؟

۳۔ ہشام ابن حکم اور عمرو بن عبیدہ کے مناظرہ کر مختصرا بیان کیجیے؛

مشق

مندرجہ ذیل احادیث کا سند اور متن کے حوالے سے جائزہ لیں

۱۔ احمد بن محمد، عن علی بن الحکم، عن الحسین بن ابی العلاء، قال ذکرت لابی عبداللہ (ع) قولنا فی الاوصیاء: انّ طاعتھم مفترضہ؟ قال: فقال: نعم ھم الذین قال اللہ تعالی "اطیعوا اللہ واطیعوا الرّسول واولی الامر منکم" وھم الذین قال اللہ عزّوجلّ؛ "انّما ولیّکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا"

۲۔ وبھذا الاسناد عن احمد بن محمد عن معمّر بن خلّاد قال: سال رجل فارسیّ ابا الحسن (ع) فقال طاعتک مفترضہ؟ فقال: نعم قال: مثل طاعۃ علی بن ابی طالب (ع) فقال: نعم۔

۳۔ وبھذا الاسناد عن مروک بن عبید، عن محمد بن زید الطبریّ؟ قال: کنت قائما علی راس الرّضا (ع) بخراسان وعندہ عدّہ من بنی ھاشم وفیھم اسحاق بن موسی بن عیسی العباسیّ فقال: یا اسحاق بلغنی انّ النّاس یقولون: انا نزعم انّ النّاس عبید لنا؟ لا وقرابتی من رسول اللہ (ع) ماقلتہ قطّ، ولا سمعتہ من ابائی قالہ، ولا بلغنی عن احد من ابائی قالہ، ولکنی اقول: النّاس عبید لنا فی الطّاعۃ موال لنا فی الدّین فلیبلغ الشاھد الغائب۔

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«چھبیسواں سبق»

آداب معاشرت

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

آداب معاشرت

پہلی حدیث :

عدّة من اصحابنا ،عن احمد بن محمد ،علی بن حدید ،عن مرازم ،قال:قال: ابو عبدالله (ع) علیکم بالصّلاة فی المساجد وحسن الجوار للنّاس واقامة الشّهادة وحضور الجنائز ،انّه لا بدّلکم من النّاس انّ احدا لایستغنی عن النّاس حیاته والنّاس لابدّلبعضهم من بعض۔

اصول کافی ج ۲ ص ۶۳۵ ح ا

شرح: اس حدیث میں مزارم "جو مزارم بن حکیم، حضرت امام جعفر صادق (ع) اور حضرت امام موسی کاظم (ع) کے شاگرد ہیں ، چند آداب معاشرت کہ جن میں سے کچھ واجب اور کچھ مستحب ہیں اشارہ کررہے ہیں یہ آداب معاشرت درج ذیل ہیں۔

ا۔" **علیکم بالصّلاة فی المساجد**" تمھیں مسجد میں نماز پڑھنی چاہیے۔

امام (ع) نے مسجد میں نماز پڑھنے کی تاکید کی ہے چاہیے یہ نماز جماعت کے ساتھ ہو چاہیے فرادی، پیغمبر اسلام (ص) سے روایت ہے کہ: لاصلاة لجار المسجد الّا فی المسجدہ۔

"مسجد کے ہمسایہ کی نماز صرف اسکے ہمسایہ کی مسجد میں ہوتی ہے "ا

اس حدیث میں اس مسجد میں جو نماز پڑھنے کی بہت زیادہ تاکید کی گئ ہے جو ہمسایہ میں ہو،البتہ اس تاکید کا تعلق واجب نمازوں سے ہے اور مستحب نمازوں کے لیے بہتر ہے کہ انھیں گھر میں پڑھا جائے ،

حضرت امام جعفر صادق (ع) سے روایت ہے کہ آپ (ع) نے فرمایا:

"انّ البیوت التی یصلّی فیها باللیل بتلاوة القرآن تضیء لاهل السماء کما تضیء نجوم السماء لاهل الارض؛۲

ا۔ وسائل الشیعہ: ج۵، ص ۱۹۴، ح ا

۲۔ ثواب الاعمال: ص ۴۳

وہ گھر جہاں نمازِ شب قرآن کی تلاوت کے ساتھ پڑھی جائے آسمان والوں کے لیے اس طرح چمکتے ہیں جیسے ستارے اہل زمیں کے لیے چمکتے ہیں۔

۲۔ "**وحسن الجوار للنّاس**" [۳] اور لوگوں (ہمسایہ) کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آو۔ روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ حسن سلوک سے مراد یہ ہے کہ انکے کاموں میں انکی مدد کریں، اگر انھیں قرض کی ضرورت ہو تو انھیں قرض دیں، کھانے، پینے کی اشیاء اور پھلوں وغیرہ کو تحفہ کے طور پر پیش کریں، انکی غیر موجودگی میں انکے اموال کی حفاظت کریں، انکی موجودگی میں انکا خیال رکھیں، اگر ان پر کوئی ظلم کرے تو اسکی مدد کریں اسکے عیب کو پوشیدہ رکھیں اسکی خطاؤں سے درگذر کریں، سختی کے دنوں میں اسے تنہا نا چھوڑیں، اپنے گھر کی عمارت کو اس قدر اونچا نا بنائیں کہ اس کے گھر کا سامنا ہو" پیغمبر اسلام (ص) سے روایت ہے کہ آپ (ص) نے فرمایا: مازال جبرائیل یوصینی بالجار حتی ظننت انّہ سیورثہ [۴] جبرائیل ہمیشہ ہمسایہ کے بارے میں اتنی تاکید کرتے تھے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ عنقریب اس کا میری وراثت میں بھی حصہ گا۔

نیز روایت میں ہے کہ آپ (ص) نے حضرت علی (ع)، سلمان، ابوذر، اور (راوی چوتھے شخص کا نام بھول گیا شاید مقداد ہوں) سے فرمایا: کہ مسجد میں باآواز بلند کہیں: "لاایمان لمن لم یا من جارہ بوائقہ"

"جس کا پڑوسی اس کے ظلم سے امان میں نا ہو وہ مسلمان نہیں ہے"

لہٰذاان لوگوں نے رسول خدا (ص) کی فرمائش کے مطابق تین مرتبہ مسجد میں بلند آواز سے مذکورہ جملہ کو دہرایا [۵]

حضرت امام جعفر صادق (ع) نے جبکہ آپ کا گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا فرمایا: "اعلموا انّہ لیس منّا من لم یحسن مجاورۃ من جاورۃ" [۶]

"جان لو کہ جو اپنے ہمسایہ سے خوش رفتار نہیں ہو گا وہ ہم سے نہیں ہے

نیز آپ (ع) نے ہمسایہ سے خوش رفتاری کے بارے میں فرمایا: "حسن الجوار یزید فی الرّزق" [۷]

---

۳ وسائل الشیعہ: ج۵، ص ۲۹۴

۴۔ من لایحضر الفقیہ: ج ا ص ۵۲

۵۔ وسایل الشیعہ ج ۱۲ ص ۱۲۵ ح ا

۶۔ اصول کافی ج ۲ ص ۶۶۸ ح ۱۱

۷۔ مدرک سابق ص ۶۶۶ ح ۳

ہمسایہ سے خوش رفتاری روزی میں اضافہ کردیتی ہے

نیز فرمایا: حسن الجوار یعمر الدّیار ویزید فی الاعمار "۸

ہمسایہ سے خوش رفتاری شہروں کو آباد اور عمر میں اضافہ کا سبب ہے

نیز آپ نے فرمایا: لیس حسن الجوار کفّ الاذی ولکن حسن الجوار صبرک علی الاذی۔۹

"ہمسایہ سے خوش رفتاری صرف یہ نہیں کہ اسے اذیت نا پہنچائی جائے بلکہ خوش رفتا
ری تو یہ ہے کہ اس کی اذیتوں پر صبر کیا جائے۔

۳۔ "واقامۃ الشھادۃ" اور جب اسے تمہاری گواہی کی ضرورت پڑے تو اس کے حق میں گواہی دو "

گواہی کا دینا واجب ہے اسے چھوڑا نہیں جاسکتا چاہے وہ گواہی دینے والے کے فائدہ میں ہو یا نقصان میں ،اور اگر کوئی گواہی دینے کے بجائے اسے چھپالے تو اس کے بہت برے نتائج برآمد ہوں گے ، جنکی طرف ہم ایک مختصر روایت کے ذریعہ اشارہ کررہے ہیں ،رسول خدا (ص) سے روایت ہے "من رجع عن شھادتہ وکتمھا اطعمھا اللہ لحمہ علی رؤوس الخلائق ،ویدخل النّار وھویلوک لسانہ "۱۰ اگر کوئی گواہی دینے سے پلٹ جائے اور اسے چھپالے تو خداوند متعال اس کا گوشت خود اسے لوگوں کے سامنے کھلائے گا اور وہ اپنی زبان کو چباتا ہوا دوزخ میں داخل ہوگا

۴۔ " حضور الجنائز " تشیع جنازہ میں حاضر ہو۔

ایک دوسرے کی نسبت مؤمنین کے وظائف میں سے ایک وظیفہ یہ ہے کہ اگر ان میں سے ایک کا انتقال ہو جائے تو باقی دوسرے افراد اسکے تشیع جنازے میں حاضر ہوں اسے غسل وکفن دیں اور دفن کریں۔ حضرت امام جعفر صادق (ع) سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: " اوّل مایتحف بہ المؤمن فی قبرہ ان یغفر لمن تبع جنازتہ " ۱۱

مؤمن کی قبر میں سب سے پہلا تحفہ جو اسے دیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کی تشیع جنازہ میں شرکت کرنے والے افراد کو بخش دیا جاتا ہے۔

---

۸ ۔ مدرک سابق ص ۶۶۷ ح ۸

۹ مدرک سابق ص ۶۶۶ ح ۹

۱۰ ۔ وسایل الشیعہ ج ۲۷ ص ۳۱۲ ح ۶

۱۱ ۔ مدرک سابق ج ۳ ص ۱۴۱

فلسفہ آداب:

اس کے بعد امام (ع) ان وظائف کے فلسفہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "انّ لا بدّ الکم من النّاس، انّ احدا لا یستغنی عن النّاس حیاتہ؛ کیونکہ تمھیں لوگوں کے ساتھ رہنے کی ضرورت ہے، یقینا کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے جو لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنے کا محتاج نہ ہو۔

مؤمنین کے لیے ضروری ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ آمد ورفت اور خرید وفروخت رکھیں، وہ اس سلسلہ میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں امام (ع) ایک بار پھر اسی بات پر تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "والنّاس لا بدّا لبعضھم من بعض" لوگ ایک دوسرے کے محتاج ہیں

اس حدیث سے استفادہ ہوتا ہے کہ انسان فطرتی طور پر اجتماعی ہیں اور سب کے سب ایک دوسرے کے محتاج ہیں، اور کوئی بھی فردی طور پر اپنی کھانے، پینے، پہننے، رہنے اور دوسری ضرورتوں کو پورا نہیں کرسکتا اور پھر مادی ضرورتوں سے بالاتر معنوی ضرورتیں ہیں جو اجتماعی صورت میں دینی تکالیف پر عمل کرنے، ایک دوسرے کے ساتھ روابط قائم کرنے، اور حوادث و مصائب میں ایک دوسرے کو تسلی دینے پوری ہوتی ہیں۔

دوسری حدیث:

محمد بن اسماعیل، عن الفضل بن شاذان و ابو علی الاشعری، عن محمد بن عبدالجبّار جمیعا، عن صفوان بن یحیی، عن معاویہ بن وھب، قال: قلت لابی عبداللہ (ع) کیف ینبغی لنا ان نصنع فیما بینناوبین قومنا وفیما بیننا وبین خلطائنا من النّاس؟ قال: فقال تؤدّون الامانۃ الیھم و تقیمون الشھادۃ لھم وعلیھم وتعودون مرضاھم وتشھدون جنائزھم۔

اصول کافی ج ۲ ص ۶۳۵ ج ۲

شرح: اس روایت میں معاویہ بن وھب حضرت امام جعفر صادق (ع) سے سوال کرتے ہیں: ہم اپنے، اپنے ہم مذہب اور ان لوگوں کے ساتھ جو ہمارے ساتھ رہتے ہیں کس طرح روابط قائم رکھیں؟

امام (ع) نے اسکے جواب میں چند اہم اخلاقی دستور کی طرف اشارہ کیا کہ جن میں سے بعض واجب اور بعض مستحب ہیں:

۱۔ "تؤدّون الامانۃ الیھم" ان کی امانتیں انھیں واپس پلٹائیں،

خداوند متعال نے امانتوں کو ان کے اہل کو پلٹانے کی تاکید کی ہے۔

"انّ اللہ یامرکم ان تؤدّواالامانات الی اھلھا" ۱۲ بے شک خداوند متعال تمھیں امانتیں انکے اہل کو پلٹانے کی تاکید کرتا ہے"

اہل بیت (ع) کی روایات میں بھی امانت کی ادائیگی کے سلسلے میں چاہے وہ امانت کافر کی ہو یا فاسق کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے

حضرت امام جعفر صادق (ع) سے روایت ہے کہ حضرت علی (ع) نے فرمایا: "ادّواالامانۃولو الی قاتل ولد الانبیاء" ۱۳

"امانت کو ادا کرو اگرچہ وہ امانت انبیاء کی اولاد کے قاتل کی کیوں نہ ہو"

۲۔ "وتقیمون الشھادۃ لھم وعلیھم "ان کے گواہ بنو چاہے چاہے وہ ان کے فائدہ میں ہو یا نقصان میں

۳۔ "وتعودون مرضاھم "ان کے مریضوں کی عیادت کرو۔

بیمار کی عیادت کرنا اسکی روح پر نہایت اثر انداز ہوتی ہے،اور یہ پیغمبر اسلام (ص) کی سنّت ہے، یہاں تک کہ آنحضرت (ص) خود یہودیوں کی عیادت کرتے تھے جیساکہ حضرت علی (ع) فرماتے ہیں: "انّ النّبی (ص) عاد یھودیا فی مرضہ " ۱۴

۴۔ "وتشھدون جنائزھم "انکے تشیع جنازہ میں حاضر ہو

نکتہ:

امام (ع) نے مذکورہ چار موضوع کو فعل امر کے صیغہ سے بیان کرنے کے بجائے فعل مضارع مخاطب کے صیغہ سے بیان کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں فعل امر سے زیادہ تاکید پائی جاتی ہے۔

تیسری حدیث

محمد بن یحیی، عن احمد بن محمد ،عن الحسن بن سعید و محمد بن خالد جمیعا،عن القاسم بن محمد ،عن حبیب الخثعمّ ،قال: سمعت ابا عبداللہ (ع) یقول :علیکم بالورع والاجتھاد،

۱۲۔ سورہ مبارکہ نساء آیہ ۵۸

۱۳۔ اصول کافی ج ۵ ص ۱۳۲

۱۴۔ مستدرک الوسائل ج ۲ ص ۷۷

واشهدوا الجنائز، وعودوا المرضى، واحضروا مع قومكم مساجدکم ،واحبّوا للنّاس ما تحبّون لانفسكم ؛اما يستحيي الرّجل منکم ان يعرف جاره حقّه ولا يعرف حقّ جاره۔ اصول کافی ج ۲، ص ۶۳۵ ح ۳

شرح: حضرت امام جعفر صادق (ع) کی اس حدیث میں بھی گذشتہ حدیث کی طرح چند دیگر آداب معاشرت کی وضاحت کی گئی ہے۔

حبیب خثعمی جو حبیب بن المعلّیٰ الخثعمی سے معروف ہیں اور حضرت امام جعفر صادق (ع) کے شاگردوں میں سے ہیں ،کہتے ہیں کہ میں نے امام صادق (ع) کو فرماتے سنا ہے :

۱۔ "علیکم بالورع والاجتهاد" تمھارے لیے ضروری ہے کہ پاکیزگی اور (خدا کی اطاعت کے سلسلہ میں) کوشش کرتے رہو۔

ادبی بحث: (علیکم) :اسم فعل اور فعل امر ہے جس کے معنی ہیں تمھارے لیے ضروری ہے۔

(الورع) : یعنی اپنے آپ کو خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچانا ۱۵؛اور دین میں "ورع" سے مراد خدا کے اوامر کی اطاعت اور اسکے نواہی کو ترک کرنا،اور آداب شرعی وسنّت نبوی سے تمسک کرنا ہے۔

(الاجتهاد) : کا مادہ "جَهد" یا "جُهد" ہے جسکے معنی طاقت، قوت، سختی اور مشقّت کے ہیں

اور "اجتهاد" کے معنی طاقت اور قوت کے استعمال اور سختی کے تحمل کے ساتھ خود کو مشقّت میں ڈالنے کے ہیں ۱۶

اور اجتہاد یا مال کے ذریعہ ہے یا بدن واعضاء اور فکر کے ذریعہ اور یہ سب کا سب یا خدا کے لیے ہے یا دنیا اور اپنے ذاتی مفادات کے حصول کے لیے ہے، لیکن امام (ع) نے جس اجتہاد کے بارے میں تاکید کی وہ اجتہاد خدا کی راہ میں ہے یعنی یہ علم و عمل اور اصلاح نفس اور لوگوں کی اصلاح خدا کے لیے ہونی چاہیے،اور اس راہ میں سختی اور مشقّت کو برداشت کرنا چاہیے، یہ جو امام (ع) نے ورع اور اجتہاد کا ایک ہی امر کے ساتھ حکم اور فرمان دیا ہے یہ اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ یہ دو ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں،اگر اجتهاد نہ ہو تو انسان محرّمات سے بچنے اور خدا کی اطاعت کے سلسلہ میں جو سختی برداشت کرنی پڑتی ہے وہ برداشت نہیں کریگا اور اگر اجتهاد کے ساتھ ورع نہ ہو تو پھر اس اجتهاد کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، کیونکہ جو اجتہاد غیر خدا کے لیے ہو وہ

---

۱۵ ۔ مجمع البحرین : مادہ "ورع"

۱۶ ۔ مفردات راغب اصفہانی : مادہ "جهد"

صرف مشقّت اور سختی کو برداشت کرنے کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے ،اسی لیے ان تو اخلاقی قدروں کے لیے اہل بیت (ع) نے ہمیشہ تاکید کی ہے۔

عمرو بن سعید بن ھلال ثقفی کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق (ع) سے عرض کی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کئی سال تک آپ کی زیارت نہیں ہوتی لہٰذا آپ مجھے کوئی ایسی چیز تعلیم فرمادیں کہ ہم ہمیشہ اس سے وابستہ رہیں ،آپ (ع) نے فرمایا: اوصیک بتقوی اللہ والورع والاجتھاد واعلم انّہ لاینفع اجتھاد لاورع فیہ۔

"میں تمہیں خدا کے عذاب سے پرہیز گاری اور ورع واجتھاد کی وصیت کرتا ہوں اور جان لو کہ جس اجتھاد میں ورع نہ ہو اس اجتھاد میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔۱۷

۲۔ " واشھدوا الجنائز ؛ نماز جنازہ میں شرکت کرو۔

۳۔ "وعودوا المرضی " بیماروں کی عیادت کرو۔

۴۔ "واحضروا مع قومکم مساجدکم "اپنی قوم کے ساتھ اپنی مساجد میں حاضر ہو۔

امام (ع) کے پہلے دستور کا تعلق ورع واجتھاد اورانسان کے شخصی حالات سے ہے اورظاہرا دوسرااور تیسرا دستور جس کا تعلق معاشرتی اور اجتماعی وظائف اور آداب سے ہے مطلق ہے یعنی تشیع جنازہ اور بیمار کی عیادت کا تعلق کسی بھی شخص اور مذہب سے نہیں ہے ،اوردوسری احادیث بھی اس کی تائید کرتی ہیں ، لیکن مسجد میں حاضر ہونے کے حوالے سے فرمایا: "واحضروا مع قومکم مساجدکم "اس حدیث کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ شیعوں کی مسجد میں حاضر ہو ،اور یہ معنی چند جہت سے قابل غور ہیں۔

۱۔ دومذکورہ دستور مطلق ہیں اور شیعوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں اور یہ بعید ہے کہ یہ دستور شیعوں کے لیے صادر ہوا ہو۔

۲۔ دوسری روایات میں اہل سنّت کی مساجد میں حاضر ہونے کی تاکید کی ہے۔

ابن ابی عمیر اپنی روایت مرسلہ میں حضرت امام جعفر صادق (ع) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے امام (ع) سے عرض کی : مجھے ان کی مسجد میں نماز پڑھنا اچھا نہیں لگتا ،امام (ع) نے فرمایا: لاتکرہ ۔الی ان قال :۔ فادّ فیھا الفریضہ والنوافل واقض مافاتک ؛ تمھیں برا نہیں لگنا چاہیے یہاں تک کہ آپ (ع) نے فرمایا : واجب ، مستحب اور قضا نمازیں بھی وہیں پڑھا کرو "

۳۔ یہی روایت دوسری سند کے ساتھ باالفاظ دیگر بھی نقل ہوئی ہے :

۱۷۔اصول کافی ج ۲ ص ۷۶

" یحیٰی الحلبی ، عن عبداللہ بن مسکان ، عن حبیب ، قال : سمعت ابا عبداللہ (ع) یقول اما واللہ ما احد من النّاس احب الیّ منکم ۔۔۔واحضروا مع قومکم فی مساجد ھم۔۔۔" ۱۸

اس لیے یہ ممکن ہے کہ مورد بحث روایت میں تحریف ہوئی ہو

۵۔ "احبّوا النّاس ما تحبّون لانفسکم " جو چیز اپنے لیے پسند کرو وہی چیز دوسروں کے لیے پسند کرو "

ممکن ہے "النّاس " سے مراد شیعہ ہوں کیوں کہ محبت ایک قلبی امر ہے جسکی دوسروں کی طرف نسبت دینا مناسب نہیں ہے بلکہ ان کے لیے وہی حسن معاشرت مناسب ہے جس کی متعدد روایات میں تاکید کی گئی ہے

مؤمنین کے حقوق میں سے ایک ،بلکہ سب سے پہلا حق یہ ہے کہ جو چیز وہ اپنے لیے پسند کریں وہی چیز وہ دوسروں کے لیے بھی پسند کریں اور جو چیز وہ اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ چیز وہ دوسروں کے لیے پسند نہ کریں۔

معلّیٰ بن خنیس کہتے ہیں: میں نے حضرت امام صادق (ع) سے پوچھا: مؤمن کا مؤمن پر کیا حق ہے۔آپ (ع) نے فرمایا: انّی علیک شفیق انّی اخاف ان تعلم ولا تعمل و تضیع ولا تحفظ۔" مجھے تم سے ہمدردی ہے مجھے یہ ڈر ہے کہ تم جانتے ہوئے عمل نہ کرو اور یہ کہ حفظ نہ کرو اور اسے ضائع کردو۔ معلّی کہتے ہیں: میں نے کہا "لا حول ولا قوۃ الّا باللہ " امام (ع) نے فرمایا: "للمؤمن علی المؤمن سبعۃ حقوق واجبۃ لیس منھا الّا وھو واجب علی اخیہ ان ضیع منھا حق من ولایۃ اللہ وترک طاعتہ ، ولم یکن فیھا نصیب ایسر حق منھا : ان تحب لہ ما تحب لنفسک وان تکرہ ما تکرہ لنفسک "۱۹

مؤمن کے مؤمن پر سات واجب حق ہیں ، یہ تمام حقوق برادر دینی کی نسبت واجب ہیں ،اگر ان حقوق میں سے کسی ایک حق کو بھی پامال کردے تو وہ خدا کی ولایت سے خارج ہوجاتا ہے گویا اس نے خدا کی اطاعت کو چھوڑ دیا ہے اور اسے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا،ان حقوق میں سے سب سے کم حق یہ ہے کہ جو کچھ اپنے لیے پسند کرو اس کے لیے بھی پسند کرو اور جو کچھ اپنے لیے نا پسند کرو تو اس کے لیے بھی نا پسند کرو۔آخر میں امام (ع) نے دوسری عبارت کے ذریعہ ان حقوق کی انجام دھی کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: اما یستحی الرجل منکم ان یعرف جارہ حقّہ ولا یعرف حق جارہ : کیا تم میں سے کسی کو یہ شرم نہیں آتی کہ اس کا پڑوسی تو اس کا حق جانتا ہو مگر وہ اپنے پڑوسی۔

حق کا نہ جانتا ہو "

---

۱۸ ۔ اصول کافی ج ۸ ص ۱۴۶

۱۹ ۔ بحار الانوار ج ۷۱ ص ۲۳۴

حدیث کے اس حصہ میں امام (ع) پڑوسیوں کے حقوق کی ترغیب دلاتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ حقوق اس وقت انسان کی ذمہ داری کو بڑھادیتے ہیں کہ جب دوسرا پڑوسی اپنے پڑوسی کے حقوق کی رعایت کررہا ہو، اس صورت میں پڑوسی کے حق کے علاوہ "ھل جزاء الاحسان الّا الاحسان "[20] کی روشنی میں اس کا وظیفہ کئی گنا بڑھ جاتا ہے اور اگر خدا نا خواستہ احسان کی جگہ بد رفتاری لے لے تو اس کی برائی میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔

۲۰۔ سورہ رحمٰن آیہ ٦٠

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«ستائیسواں سبق»

آداب معاشرت(۲)

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

چوتھی حدیث:

محمد بن یحیی،عن احمد بن محمد عن علی بن الحکم ،عن معاویه بن وهب ،قال : قلت له : کیف ینبغی لنا ان نصنع فیما بیننا وبین قومنا وبین خلطائنا من النّاس ممّن لیسوا علی امرنا ؟ قال: تنظرون الی ائمّتکم ،الذین تقتدرون بهم فتصنعون ما یصنعون ،فوالله انّهم لیعودون مرضاهم و یشهدون جنائزهم و یقیمون الشهادة لهم وعلیهم ویودّون الامانة الیهم۔

اصول کافی ج ۲، ص ٦۳٦، ح ۴

شرح: معاویہ بن وھب کہتے ہیں: میں نے (ظاہرا) حضرت امام جعفر صادق (ع) کی خدمت میں عرض کی: ان افراد کے ساتھ جو ہماری قوم سے ہیں اور ان افراد کے ساتھ جو ہماری قوم (امر ولایت پر یقین نہیں رکھتے) سے نہیں ہیں کس طرح رفتار کریں؟

امام (ع) نے معاویہ بن وھب کے جواب میں فرمایا: "تنظرون الی ائمتکم الذین تقتدون بھم، فتصنعون مایصنعون" ان ائمہ (ع) کی کی سیرت کو دیکھو جن کی تم اقتداء کرتے ہو اور ان ہی کی رفتار کی طرح رفتار کرو۔

اس کے بعد امام (ع) نے ائمہ (ع) کی ان کے ساتھ رفتار کی طرف اشارہ کیا اور قسم کھائی کہ ان موضوعات کے سلسلہ میں انکی رفتار اس طرح ہے:

۱۔ "فواللہ انّھم لیعودون مرضاھم" خدا کی قسم ائمہ (ع) انکے بیماروں کی عیادت کرتے ہیں

۲۔ "ویشھدون جنائزھم" انکی تشیع جنازہ میں شرکت کرتے ہیں

۳۔ "ویقیمون الشھادۃ لھم وعلیھم" انکے نفع و نقصان میں گواہی دیتے ہیں

۴۔ "ویودّون الامانۃ الیھم" انکی امانتوں کو انھیں پلٹاتے ہیں

مندرجہ بالا چار موضوعات کی مذکورہ حدیث میں وضاحت کی جاچکی ہے لیکن اس روایت میں جو نکتہ قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ ائمہ (ع) کی طرف توجہ اور انکی سیرت کے مطابق عمل کیا جائے کہ امام (ع9 نے فرمایا: "تنظرون الی ائمتکم الذین تقتدون بھم ، فتصنعون مایصنعون " یعنی اس قسم کے موارد میں مکمل طور سے اہل بیت(ع) کی سیرت کے مطابق عمل کیا جائے نہ اس سلسلہ

میں ان سے آگے نکلا جائے اور نہ ہی ان کے احکامات پر عمل کرنے میں کسی قسم کی کوتائی اور سستی کی جائے حضرت امام علی نقی (ع) فرماتے ہیں جب بھی ائمّہ (ع) میں سے کسی ایک کے روضہ پر حاضر ہو تو اس بات کا اعتراف کرو اور کہو: " فالراغب عنکم مارق واللازم لکم لاحق والمقصر فی حقکم زاھق "اجو شخص آپ سے رو گردانی کرے وہ دین سے خارج ہے آپ لوگوں سے وابستہ رہنا ضروری ہے اور جو آپ کے حق میں کوتائی کرے وہ نیس و نابود ہو جائے گا"

پیغمبر اسلام (ص) سے مروی ہے: امرت بطاعۃ اللہ ربّی وامر الائمّۃ من اہل بیتی بطاعۃ اللہ وطاعتی، وامر النّاس جمیعا دونھم بطاعۃ اللہ وطاعتی وطاعۃ الائمّۃ من اہل بیتی فمن تبعھم نجا ومن ترکھم ھلک ولایترکھم الّا مارق۔

میں اللہ کی اطاعت پر ماموَر ہوں جو میرا پروردگار ہے اور میری اہل بیت سے تعلق رکھنے والے آئمّہ (ع) خدا اور میری اطاعت پر مامور ہیں اور انکے علاوہ باقی تمام افراد خدا کی اطاعت، میری اطاعت، اور اہل بیت (ع) کی اطاعت پر ماموَر ہیں اور جو شخص انھیں چھوڑ دے وہ دین سے خارج ہے"

بنابر ایں ائمّہ (ع) کی اطاعت سب کی ذمہ داری ہے اور جو بھی کام انکی مرضی اور انکی نظر کے خلاف کیا جائے وہ ہوائے نفس کی بنیاد پر ہو گا اور دین سے خارج ہونے کا سبب ہے۔

سوالات:

۱۔ علیکم بالصّلاۃ فی المساجد کی وضاحت کیجیے؟

۲۔ اسلام میں اچھے اور نیک پڑوسی کے مصادیق بیان کریں

۳۔ "اقامۃ الشّھادۃ" سے کیا مراد ہے؟

۴۔ امام (ع) کے اس قول "انّہ لابدّ لکم من النّاس ان احدا لایستغنی عن النّاس حیاتہ" کے ترجمہ کے ساتھ وضاحت کریں۔

۵۔ امام (ع) کے اس حدیث "توٴدّون الامانۃ الیھم وتقیمون الشّھادۃ لھم وعلیھم وتعودون مرضاھم وتشھدون جنائزھم" میں صیغہ مضارع کے استعمال کرنے کی وجہ بیان کیجیے۔

۱۔ دعائم الاسلام ج ا ص ۲۶

۶۔اس عبارت " علیکم بالورع والاجتھاد " میں امام (ع) نے ایک امر سے ورع واجتھاد کا حکم دیا ہے اسکی علّت بیان کیجیے

۷۔اس عبارت " واحضروامع قومکم مساجد کم " میں کیا قابل غور نکات موجود ہیں ؟

۸۔ "احبّوا النّاس ماتحبّون لانفسکم "میں "النّاس" سے کیا مراد ہے اسکی وضاحت کریں

۹۔ اس عبارت "امایستحیی الرّجل منکم ان یعرف جارہ حقّہ ولایعرف حقّ جارہ" کی وضاحت کریں

۱۰۔اہل بیت (ع)کے غیر شیعہ سے میل جول کی وضاحت کریں۔

مشق

مندرجہ ذیل احادیث کی سند اور متن کے حوالے سے جانچ پڑتال کریں

۱۔ سھل بن زیاد، عن جعفر بن محمد الاشعری عن ابن القدّاح، عن ابی عبداللہ (ع) قال: یسلّم الرّاکب علی الماشی والقائم علی القاعد

۲۔ محمد بن یحیٰ، عن احمد بن محمد، عن عمر بن عبدالعزیز، عن جمیل عن ابی عبداللہ (ع) قال: اذاکان قوم فی مجلس ثمّ سبق قوم فدخلوا، فعلی الدّاخل اخیراذادخل ان یسلّم علیھم۔

۳۔ عدّة من اصحابنا عن سھل بن زیاد عن علی بن اسباط، عن ابن بکیر، عن بعض اصحابہ عن ابی عبداللہ (ع) قال: اذا مرّت الجماعة بقوم اجزاء ھم ان یسلّم واحد منھم واذا سلّم علی القوم وھم جماعة اجزاھم ان یردّ واحد منھم۔

معاشرت کے آداب:

پانچویں حدیث:

ابو علی الاشعری ،عن محمد بن عبد الجبّار ومحمد بن اسماعیل عن الفضل بن شاذان جمیعاً،عن صفوان بن یحیی،عن ابی اسامہ زید الشحّام ،قال:قال لی ابو عبداللہ (ع) اقرا علی من تری انّہ یطیعنی منھم ویأخذ بقولی : السّلام واوصیکم بتقوی اللہ عزّوجل ،والورع فی دینکم ولاجتھاد للہ ،وصدق الحدیث واداء الامانة وطول السجود وحسن الجوار ؛ فھذا جاء محمد۔

ادّواالامانة الی من ائتمنکم علیھا برّااو فاجرا،فانّ رسول اللہ (ص) کان یامر بأداء الخیط والمخیط ۔

صلوا عشائرکم واشهدوا جنائزهم وعودوا مرضاهم ،وادّوا حقوقهم ،فانّ الرّجل منکم اذا ورع فی دینه وصدق الحدیث وادّی الامانة وحسن خلقه مع النّاس قیل: هذا جعفری فیسرّنی ذلک ویدخل علیّ منه السرور ، وقیل هذا ادب جعفر واذا کان علی غیر ذلک دخل علیّ بلاؤه وعاؤه وقیل هذا ادب جعفر ! فوالله لحدّثنی ابی (ع) انّ الرّجل کان یکون فی القبیلة من شیعة علیّ (ع) فیکون زیّنها : آداهم للامانة واقضاهم للحقوق واصدقهم للحدیث الیه وصایاهم وودائعهم ،تسال العشیرة عنه فتقول : من مثل فلان ؟ انّه لادانا للامانة واصدقنا للحدیث ۔ اصول کافی ج ۲ ص ۶۳۶، ح ۵

شرح: یہ حدیث شیعوں سے متعلق حضرت امام جعفر صادق (ع) کے فرامین پر مشتمل ہے جو آپ (ع) نے اپنے صحابی زید بن یونس الشحام ۔ شیخ مفیدؒ نے آپ کو "اعلام الرؤسا" کے نام سے یاد کیا ہے ۲۔کے ذریعہ شیعوں تک پہنچائی ہے۔

امام (ع) نے اپنے پیغام کی ابتداء سلام سے فرمائی ،آپ فرماتے ہیں: اقرا علی من تری انہ یطیعنی منھم و یاخذ بقولی : السلام ؛" جسے بھی تم دیکھو کہ وہ میری اطاعت کررہاہے اور میری بات کو مان رہاہے تو میرا اسلام اس تک پہنچادینا

امام (ع) سلام کرنے کے بعد اپنی وصیتوں کے سلسلہ کو شروع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو مندرجہ ذیل ہیں :

ا۔ "اوصیکم بتقوی اللہ عزوجل والورع فی دینکم ؛" میں تمھیں خدا کے عذاب سے ڈرنے اور دین میں ورع کی تاکید کرتا ہوں۔

لغوی بحث : (تقوی) :اس کا مادہ "وقی ،یقی" ہے جس کے معنی حفاظت کے ہیں یہاں اس سے مراد یعنی نفس کو گناہ سے بچانا ہے۔

(الورع) :کے معنی محرمات الہی سے نفس کو بچاناہے ،اسکی کئی قسمیں ہیں

۱) ورع تائبین : یعنی فسق سے خارج ہونا۔

۲)۔ ورع صالحین : یعنی شبھات سے خارج ہونا ہے

۳)۔ ورع متّقین : یعنی حلال کو چھوڑنا تاکہ حرام میں مبتلانہ ہو ،مثال کے طور پر زیادہ گفتگو سے پرہیز کرنا تاکہ غیبت میں مبتلانہ ہو ،

۴) ورع صدیقین : یعنی خدا کے علاوہ ہر چیز سے اعراض کرنا ۳

---

۲ ، معجم رجال الحدیث ج ۸ ص ۳۷۵

۳ ۔ مجمع البحرین : مادہ "ورع"

اگر "ورع" اور "تقوی" جدا جدا استعمال ہوں تو دونوں کے ایک معنی ہیں یعنی اپنے نفس کوگناہ سے بچانا لیکن اگر دونوں ایک ساتھ استعمال ہوں تو پھر "تقوی" کے معنی وہی نفس کو گناہ سے بچانا، اور "ورع" اس سے بلند وبالا مراتب کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے "وقوف عندالشبھات" (یعنی اگر انسان کو کسی چیز کے بارے میں شک وشبھہ ہوتا ہے تو اسے انجام نہیں دیتا)

۲۔ "والاجتھاد للّٰہ؛خداکے لیے کوشش (یعنی خدا کی اطاعت کی راہ میں کوشش)

۳۔ (صدق) جھوٹ کے خلاف ہے، کسی چیز میں قوت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اگر ایک سچی بات کو "قول صدق" کہا جاتا ہے تو اس کی وجہ وہ قوت ہے جو سچی بات میں پائی جاتی ہے، [۴] اعتقاد میں صدق سے مراد یہ ہے کہ حقیقت کے مطابق ہو، جبکہ قول میں صدق کے معنی یہ ہیں کہ خبر حقیقت کے مطابق ہو اور اس میں کوئی جھوٹ نہ ہو

اہل بیت (ع) کی مذکورہ حدیث اور دیگر احادیث میں جس سچائی اور صداقت کی تاکید کی گئی ہے وہ براہ راست انسان کے عمل پر اثر انداز ہوتی ہے،

اسلامی روایات سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ انسان کے ایمان کی صداقت اور استقامت، اسکی زبان کی صداقت اور استقامت سے وابستہ ہے۔

حضرت علی (ع) پیغمبر اسلام (ص) سے نقل کرتے ہیں: "لا یستقیم ایمان عبد حتی یستقیم قلبہ، ولا یستقیم قلبہ حتی یستقیم لسانہ" [۵] "انسان کا ایمان پائیدار نہیں رہ سکتا جب تک کہ اس کا قلب پائیدار نہ ہو اور اسی طرح انسان کا قلب اس وقت تک پائیدار نہیں رہ سکتا جب تک کہ اس کی زبان پائیدار نہ ہو۔

یقینا انسان کے قول کی صداقت ایمان پر اسکی زبان کی پائیداری پر دلیل ہے، سچائی اور صداقت کی قدر ومنزلت اس حد تک ہے کہ اہل بیت (ع) کی روایات میں اسے انسانوں کے پہچاننے کا معیار بتایا ہے۔ جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق (ع) سے روایت ہے کہ "لا تنظروا الی طول رکوع الرجل وسجودہ، فان ذلک شيء قد اعتادہ، فلو ترکہ استوحش ذلک، لکن انظروا الی صدق الحدیث واداء الامانۃ۔ [٦]

---

٤ ۔ مقاییس اللغۃ: مادہ "صدق"

٥ ۔ نہج البلاغہ: خطبہ ١٧٦

٦ ۔ بحار الانوار ج ٦٨ ص ٨

"لوگوں کو اگر پہچاننا ہے تو ان کے طولانی سجدوں اور رکوع پر نگاہ نہ کرو اس لیے کہ یہ وہ چیز ہے جسکی انھیں عادت پڑ گئی ہے بلکہ یہ دیکھو کہ وہ بات کرتے ہوئے سچ بلتے ہیں یا نہیں، امین ہیں یا نہیں

۴۔ "واداء الامانۃ" امانت کا اسکے اہل کو پلٹا دینا"

'وطول السجود" اور سجدوں کا طولانی ہونا

ادبی بحث: (السجود) :اس کا مادہ "سجدہ" ہے جس کے معنی خضوع وخشوع کے ہیں اور سجدہ کے معنی خدا کے سامنے خشوع اور اسکی عبادت کے ہیں۔۷

سجدہ کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ اختیاری سجدہ کہ جو انسانوں کے لیے مختص ہے جس کی بجاآوری کے بعد انسان ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے، یہ آیت "فاسجدوا اللہ واعبدوا" ۸اسی مطلب پر دلالت کرتی ہے

۲۔ تکوینی اور تسخیری سجدہ: جس میں انسان، حیوان اور نباتات سب شامل ہیں " وللہ یسجد من السّماوات والارض طوعا و کرھا وظلالھم بالعدوِّ والآصال " ۹یہ آیت اسی چیز کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ تمام مخلوق اپنی بے زبانی میں اس بات کو کہ رہی ہے کہ ہمیں ایک خالق حکیم نے پیدا کیا ہے۔

جس سجدہ کی طرف امام (ع) کی حدیث میں تاکید کی گئی ہے، وہ سجدہ کی پہلی قسم ہے جسے انسان اپنے اختیار سے انجام دیتا ہے۔

سجدہ خدا کے تقرب کا سبب ہے " حضرت امام جعفر صادق (ع) سے روایت ہے: "اقرب ما یکون العبد الی اللہ وھوساجد" ۱۰انسان کی وہ حالت جس میں وہ خدا کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے سجدہ ہے۔

اگر امام (ع) نے سجدہ کو طول دینے کی تاکید کی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان کی ناک کو زمین پر رگڑتا ہے۔

معاویہ بن عمّار کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق (ع) کو کہتے سنا ہے "انّ العبد اذا اطال السجود حیث لا یراہ احد، قال الشیطان: یا ویلاہ اطاعوہ وعصیت و سجدوا وابیت "۱۱

۷۔مفرادات راغب اصفہانی: مادہ "سجدہ"

۸ - سورہ مبارکہ نجم آیہ ۶۲

۹ - سورہ مبارکہ رعد آیہ ۱۵

۱۰ - وسائل الشیعہ: ج۶ص۳۸۰ح۹

"جب خدا کا کوئی بندہ اس حالت میں سجدہ طولانی کرے کہ اسے کوئی نہ دیکھ رہا ہو (صرف خدا کے لیے سجدہ کرے) تو شیطان کہتا ہے کہ میں بد بخت ہوں کہ یہ لوگ خدا کہ اطاعت کر رہے ہیں اور میں نے اسکی نافرمانی کی ہے یہ لوگ سجدہ کر رہے ہیں اور میں نے اس سے رو گردانی کی ہے۔

نیز حضرت امام جعفر صادق (ع) پیغمبر اسلام (ص) سے روایت کرتے ہیں: اطیلوا السجود؛ فما من عمل اشدّ علی ابلیس من ان یری ابن آدم ساجدا، لانّہ امر بالسجود فعصی وھذا امر بالسجود فاطاع فیما امر "[12]

سجدہ کو طول دو کہ سجدہ سے زیادہ کوئی عمل بھی شیطان کے لیے رنجش کا باعث نہیں ہے، کہ جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ فرزند آدم (ع) سجدہ کی حالت میں ہے کیوں کہ جب اسے سجدہ کا حکم دیا تھا تو اس نے انکار کر دیا تھا لیکن جب اُسے حکم دیا گیا ہے تو اطاعت کر رہا ہے۔

۶۔ " وحسن الجوار؛ اور پڑوسیوں کے ساتھ خوش رفتاری کے ساتھ پیش آؤ

اس کے بعد امام (ع) نے پڑوسیوں کے ساتھ خوش رفتاری کے ساتھ پیش آنے کی تاکید کی اور آپ نے اس عمل کو پیغمبر (ص) کی رسالت سے جانا ہے لھذا آپ فرماتے ہیں: " فبھذا جاء محمد (ص)

ایک بار پھر امام (ع) نے ادائے امانت کی تاکید کی اور فرمایا کہ یہ خدا کا فرمان اور آنحضرت (ص) کی سیرت تھی

آپ (ع) فرماتے ہیں: ادّوا الامانۃ الی من ائتمنکم علیھا برا او فاجرا فانّ رسول اللہ (ص) کان یامر باداء الخیط والمخیط؛ "جو تمھیں اپنی امانت کا امین قرار دے اس کی امانت واپس پلٹادو چاہے وہ شخص نیک ہو یا بد، رسول خدا (ص) ہمیشہ اس بات کا فرمان دیتے تھے کہ اگر کسی سے سوئی دھاگہ بھی امانت کے طور پر لیا ہے تو اسے واپس پلٹاؤ۔

۷۔ " صلوا عشائر کم؛ اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ صلہ رحم کرو

ادبی بحث: (صلوا): یہ فعل امر کا صیغہ ہے جسکا مادہ " وصل " ہے جو ہجران اور دوری کی ضد ہے جسکے معنی دو چیزوں کا ملنا ہے یعنی ان کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہے۔[13]

"صلہ " یعنی ہر نیکی اور احسان کو کہتے ہیں، اگرچہ یہ زیارت، ملاقات، اور ہم نشینی ہی کی صورت میں ہوا

---

۱۱ - مدرک سابق ح ۸

۱۲ ۔مدرک سابق ص ۳۸۱ ح ۱۳

۱۳ ۔لسان العرب: مادہ "وصل"

اور ایک سلام ہی کی حد تک کیوں نہ ہو۔ ۱۴

"عشائر" "عشیرہ کی جمع ہے جس کے معنی خاندان کے ہیں جس کے سبب ایک گھر کثیر تعداد افراد پر مشتمل ہو جاتا ہے ،اور مکمل صورت اختیار کرلیتا ہے پھر خاندان میں پائے جانے والے تمام افراد اس فرد کے اہل وعیال اور عزیز و اقارب شمار ہوتے ہیں جسکی وجہ سے انکی تعداد میں اضافہ ہوا تھا۔اور اس گروہ پر "عشیرۃ" کا اطلاق ہوتا ہے۔اور کیوں کہ لفظ "جماعت" مؤنث ہے لہٰذا اسکے لیے مؤنث لفظ "عشیرہ" سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ۱۵

حدیث کے اس حصہ میں حضرت امام جعفر صادق (ع) صلہ رحم کی تاکید کر رہے ہیں صلہ رحم سے مراد یہ ہے کہ اپنے عزیز واقارب کا خیال رکھا جائے ان کے ساتھ مہربانی کے ساتھ پیش آئے عزیز و اقارب کے دوسروں کی نسبت ایک دوسرے پر زیادہ حقوق ہیں، بعض آیات میں صلہ رحم کا تذکرہ خدا کی عبادت کے بعد آیا ہے۔ ۱۶

اور دوسری آیت میں ارحام (عزیز و اقارب) کا ذکر خداوند متعال کے ذکر کے بعد آیا ہے

"واتّقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام انّ اللہ کان علیکم رقیبا" ۱۷ اپنے آپ کو اس عذاب خدا سے بچاؤ جس کے بارے میں سوال کر رہے ہو اور قطع صلہ رحمی سے بچاؤ ،یقینا خداوند متعال تمھارا نگہبان ہے۔

جمیل بن درّاج نے مذکورہ آیت کے بارے میں حضرت امام جعفر صادق (ع) سے پوچھا آپ (ع) نے فرمایا: "ھی ارحام النّاس ،انّ اللہ عزّوجل امر بصلتھا وعظّمھا الاتری انّ اللہ جعلھا معہ" ۱۸ آیت سے مراد لوگوں سے صلہ رحمی ہے،خدا نے جس کا حکم دیا ہے اور اسے اہمیت دی ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خداوند متعال نے اس کا ذکر اپنے ذکر کے ساتھ کیا ہے۔

اہل بیت (ع) کی احادیث میں بھی صلہ رحم کے بہت سے آثار ذکر کیے گئے ہیں، کہ ہم یہاں صرف حضرت امام محمد باقر (ع) کی حدیث کے ذکر پر اکتفا کر رہے ہیں۔

---

١٤ مجمع البحرین: مادہ "وصل"

١٥ ۔مفردات راغب اصفہانی: مادہ "عشر"

١٦ سورہ بقرۃ آیہ ۸۳، سورہ مبارکہ نساء آیہ ۳٦

١٧ - سورہ مبارکہ نساء آیہ ۱

١٨ ۔اصول کافی: ج۲ ص ۱۵۰ ح۱

صلة الرحم تزکی الاعمال وتدفع البلوی وتنمی الاموال وتنسیء له فی عمره وتوسّع فی رزقه وتحبّب فی اہل بیته فیتق الله ولیصل رحمه ۔۱۹

"صلہ رحم اعمال کو پاک کرتا ہے بلاؤں کو دور کرتا ہے مال میں برکت دیتا ہے، عمر کو دراز کرتا ہے روزی میں وسعت عطا کرتا ہے،انسان کو اپنے عزیز واقارب میں محبوب کر دیتا ہے پس تقوی الٰہی اختیار کرو اور صلہ رحم کرو۔

۸۔ واشھدوا جنائز ھم ؛انکی تشیع جنازہ میں شرکت کرو

۹۔ وعودوا مرضاھم ؛انکے بیماروں کی عیادت کرو

۱۰۔ "وادّوا حقوقھم" ان کے حقوق کو ادا کرو

حدیث کے اس حصہ میں اور دوسری متعدد احادیث میں مختلف مقامات پر پڑوسی اور ایک شہر میں رہنے کے حوالے سے انسانوں پر جو ایک دوسرے کے حقوق عائد ہوتے ہیں ان پر تاکید کی گئی ہے ،اہل بیت (ع) کیونکہ تمام انسانوں کے لیے حجت خدا ہیں لہٰذا ان کے فرامین جامع اور کامل ہیں ،معاشرتی زندگی میں دوسرے انسانوں اور ادیان ومذاہب کے حقوق پر بھی تاکید کی ہے ۔حضرت امام علی (ع) نے مالک اشتر کو جو فرمان دیا اس میں ان مسائل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ دنیا کی حقوق بشر سے تعلق رکھنے والی شخصیات کو چاہیے کہ ان پر عمل کریں کہ ان فرامین کا تعلق کسی بھی ملک کو چلانے والے تمام افراد سے ہے :

واشعر قلبک الرّحمه للرعیة ،والمحبة لھم ،واللطف بھم ولا تکوننّ علیھم سبعاً ضاریاً تغتنم اکلھم ،فانّھم صنفان امّا اخ لک فی الدّین او نظیر لک فی الخلق ،یفرط منھم الزلل وتعرض لھم العلل ویؤتی علی ایدیھم فی العمد والخطأ، فأعطھم من عفوک وصفحک مثل الذی تحب وترضی ان یعطیک الله من عفوه وصفحه۔۲۰

تمھارا دل لوگوں کے ساتھ مہر ومحبت سے سرشار ہونا چاہیے،ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ اور خبردار انکے ساتھ وحشی درندہ کی سی رفتار نہ کرو جو انہیں کھانے کے درپہ ہے کیونکہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں ایک تمھارے دینی بھائی ہیں اور دوسرے خلقت میں

---

۱۹ ۔ اصول کافی : ج ۲ ص ۱۵۲

۲۰ ۔ نہج البلاغہ : خط ۵۳

تمھارے جیسے ہیں اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے یا کوئی اور بات ہو جائے، یا خواستہ اور ناخواستہ طور پر کسی غلطی کے مرتکب ہو جائیں تو انھیں بخش دو اور ان سے در گذر کرو جس طرح تم یہ چاہتے ہو کہ خدا تمھیں بخش دے۔

امام (ع) کی اس تقسیم سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ اگر اہلیان شہر مسلمان ہوں تو اسلام کی نظر سے ان کے حق و حقوق واضح اور روشن ہیں، لیکن اگر وہ مسلمان نہ ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے حقوق کو نظر انداز کر دیا جائے بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی خواہشات، ضرورتوں، حقوق، اور انکے احساسات کا خیال رکھا جائے، حدیث کے آخر میں امام (ع) نے معاشرتی آداب اور اخلاقی قدروں کے مثبت آثار اور فوائد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: فانّ الرّجل منکم ،اذا ورع فی دینہ وصدق الحدیث واڈی الامانۃ وحسن خلقہ مع النّاس ، قیل ھذا جعفری فیسرّنی ذلک ویدخل علی منہ السرور وقیل ھذا ادب جعفر؛ اگر تم سے کوئی صاحب ورع ہو، سچا اور امانت دار ہو اور لوگوں کے ساتھ اس کا اخلاق اچھا ہو اور لوگ اسے کہیں کہ یہ جعفری ہے تو یہ چیز مجھے مسرور کرتی ہے اور انکے اس عمل کی اچھائی کو مجھ سے منسوب کیا جاتا ہے اور لوگ کہتے ہیں یہ جعفر (ع) کا ادب ہے۔

بے شک اہل بیت (ع) کی خوشی رسول خدا (ص) کی خوشی اور رسول خدا کی خوشی اللہ کی خوشی ہے۔

اسکے بعد امام (ع) نے بداخلاقی کے برے اثرات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "واذا کان علی غیر ذلک دخل علیّ بلاؤہ وعارہ وقیل ھذا ادب جعفر؛ اور اگر وہ بداخلاق ہوں تو ان کے اس عمل کی برائی کو بھی مجھ سے منسوب کیا جاتا ہے اور لوگ مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ جعفر (ع) کا ادب ہے۔

اہم بات:

حدیث کے دو آخری فقروں میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ امام (ع) نے پہلے فقرہ میں یہ فرمایا کہ تمھارا اچھا اخلاق میرے لیے باعث مسرت ہے اور اسکی اچھائی کو میری طرف منسوب کیا جاتا ہے، لیکن یہ نہیں فرمایا کہ تمھارا بداخلاق ہونا میرے غم وغصہ کا سبب ہے۔ اور یہ چیز اہل بیت (ع) کی اپنے شیعوں سے محبت اور لطف و کرم کی حکایت کرتی ہے اور یہ کہ وہ بھی پیغمبر اسلام (ص) کی طرح عالمین کے لیے رحمت ہیں۔

حدیث کے آخر میں حضرت نے اپنے والد گرامی حضرت امام محمد باقر (ع) کے اس قول کی طرف اشارہ کیا جس میں آپ (ع) نے ایک شیعہ کے آداب اسلامی کے آثار کو بیان فرمایا: انّ الرّجل کان یکون فی القبیلۃ من شیعۃ علیّ (ع) فیکون زینّھا : آداھم للامانۃ واقضاھم للحقوق واصدقھم للحدیث الیہ وصایاھم وودائعھم ،تسال العشیرۃعنہ فتقول : من مثل فلان ؟ انّہ لاادانا للامانۃ واصدقنا للحدیث "ایک قبیلہ میں علی (ع) کے شیعوں میں سے ایک شخص تھا جو اس قبیلہ کے تمام افراد کے لیے زینت بخش تھا، ان میں

سب سے زیادہ امین تھا، سب سے زیادہ حق شناس تھا، سب سے زیادہ سچا تھا، لوگ اس سے وصیت لیتے تھے اس کے پاس اپنی امانتیں رکھواتے تھے، اور اگر کوئی ان سے اس پر اس اعتماد کی علّت پوچھتے تھے تو وہ جواب دیتے تھے کہ کون اس سے اچھا ہے کہ وہ ہم سب میں سب سے زیادہ امین اور سب سے زیادہ سچا ہے۔

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«اٹھائیسواں سبق»

لوگوں سے خوش رفتاری

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

لوگوں سے خوش رفتاری

پہلی حدیث :

علی بن ابراھیم ،عن ابیه ،عن حمّاد ، عن حریز ،عن محمدّ بن مسلم ،قال :قال ابو جعفر (ع) من خالطت فان استطعت ان تکون یدک العلیا علیھم فافعل ۔ اصول کافی ج ۲، ص ۶۳۷، ح ۱

ادبی بحث : " یدک " تکون کا اسم اور "العلیا علیھم " ان کی خبر ہے۔

لغوی بحث : (خالطت) :اس کا مادہ " خلط " ہے جس کے معنی دو چیزوں کے اجزاء کا جمع ہونا ہے ،پڑوسی اور شریک کو بھی خلیط کہتے ہیں[1] " خالطت " یعنی جمع ہونا ، یہ ہم نشینی کے لیے کنایہ ہے ،پڑوسی اور شریک کو ہم نشینی کی وجہ سے خلیط کہتے ہیں۔

شرح : محمد بن مسلم حضرت امام محمد باقر (ع) سے نقل کرتے ہیں : " من خالطت فان استطعت ان تکون یدک العلیا علیھم فافعل ؛جس کے ساتھ معاشرت کرو یا اس کے ہم نشین ہو اگر اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ سکتے ہو تو یہ کام کرو

یہ حدیث دوسروں کے ساتھ احسان کرنے یا انھیں خیر پہنچانے کے لیے کنایہ ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ نیکی اور احسان کرنے میں پیش پیش رہو۔

دوسری حدیث :

عدّة من اصحابنا ، عن احمد بن محمد بن خالد ،عن اسماعیل بن مھران ،عن محمد بن حفص عن ابی الربیع الشامیّ ، قال : دخلت علی ابی عبد الله (ع) والبیت غاصّ باھله ،فیه الخراسانیّ والشّامی ومن اھل الآفاق ، فلم اجد موضعا اقعد فیه فجلس ابو عبدالله (ع) وکان متّکنا ،ثمّ قال :یا شیعة آل محمد !اعلموا انّه لیس منّا من لم یملک نفسه عند غضبه ، ومن لم یحسن صحبة من صحبه ومخالفة

---

۱ ۔ مفردات راغب اصفہانی : مادہ " خلط "

من خالقه ومرافقة من رافقهومجاورة من جاورة و ممالحة من مالحه؛یا شیعة آل محمد اتّقوا اللہ ما استطعتم ولا حول ولاقوة الّا باللہ۔ اصول کافی ج۲ص ۶۳۷، ح۲

لغوی بحث : (غاص) اس کامادہ "غصّ" ہے جس کے معنی وہ تنگی ہے جو غذا ، یا ، پانی کے گلے میں پسنے سے حاصل ہوتی ہے، اسی مناسبت سے 'ہر تنگی کو تضییق کہا جاتا ۲ ہے اور " غاص ،باھلہ " یعنی لوگوں کی کثرت کی وجہ سے اس جگہ پر بیٹھنے تک کی گنجائش نہیں تھی۔

شرح : ابی الرّبیع شامی کہتے ہیں میں حضرت امام جعفر صادق (ع) کی خدمت میں اس حالت میں پہنچاکہ آپ کا گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا، خراسان، شام اور دوسرے شہروں کے لوگ بھی وہاں موجود تھے مجھے بیٹھنے تک کی جگہ نہیں ملی، حضرت امام جعفر صادق (ع) تکیہ کیے بیٹھے ہوئے تھے،آپ نے اہل مجلس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: " یاشیعۃآل محمد اعلمواانّہ لیس منّا من لم یملک نفسہ عند غضبہ و من لم یحسن صحبۃ ومخالفۃ من خالقہ و مرافقۃ من رافقہو مجاورۃ من جاورۃ وممالحۃ من مالحہ؛"اے شیعیان آل محمد جان لوجو کہ جو شخص غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو نہ پائے، اپنے ساتھ بیٹھنے والوں کے ساتھ اچھی ہمراہی نہ کرے اپنے ساتھ رہنے والوں کے ساتھ حسن خلق سے پیش نہ آئے، اپنے دوست سے نرمی سے پیش نہ آئے اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھابرتاؤنہ کرے اور کھانا کھانے والوں کے ساتھ کھانے کے اصول کی رعایت نہ کرے تو یقیناوہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(لیس منّا) یعنی ہمارے شیعوں، ہمارے مذہب اور ہماری قوم میں سے نہیں ہے۔

لغوی بحث : من لم یحسن صحبہ من صحبہ) " صحبۃ" اس کامادہ " صحب " ہے جس کے معنی ایک دوسرے کے ساتھ ہونے کے ہیں ۳۔اور یہاں پر مراد ہم نشینی ہے چاہے سفر میں ہو ، یا حضر میں " اور حسن مصاحبت " یعنی کشادہ روئی، تبسّم، سلام، مصافحہ ،ساتھ غذا کھانا، ضرورتوں کو پورا کرنا اور ہم و غم کو دور کرنا وغیرہ

(مخالقۃ من خالقۃ) " مخالقۃ" : اس کامادہ " خلق " جس کے معنی ہیں کسی چیز کابغیر کسی سابقہ نمونہ کے ایجاد کرنا اور بنانا اور "خُلق" ایسی صفات اور خصلتیں کو کہا جاتا ہے جو فطرت اور دل کی آنکھ سے درک ہوتی ہیں ۴ جیسے "وانّک لعلی خلق عظیم " ۵ اور مخالقۃ"

---

۲ ۔التحقیق فی کلمات القرآن الکریم : مادہ "غص"

۳ ۔ مفرادات راغب اصفہانی : مادہ "صحب"

۴ ۔ مفرادات راغب اصفہانی : مادہ "خلق"

۵ ۔سورہ مبارکہ قلم آیہ ۴

کہ جو ,باب مفاعلہ سے ہے طرفین کے خُلق اور اخلاق کے لیے استعمال ہوتا ہے " خالق "کے معنی حسن خلق کے ساتھ معاشرت کے ہیں

(و مرافقة من رافقہ) اس کامادہ " رفق " جس کے معنی نرم خوئی اور خشونت کی ضد ہیں ۔٦

(مجاورة من جاورہ) یعنی ہمسایہ کے ساتھ اچھابرتاؤ

(وممالحة من مالحہ) ؛(ممالحہ) اس کامادہ " ملح " ہے جس کے معنی نمک کے ہیں اور " ممالحة" جس کے معنی ہم نمک ہونے کے ہیں یہ کنایہ ہے "ساتھ غذا کھانے "کے لیے

آخر میں امام (ع) نے مجموعی طور پر تمام شیعوں کو تقوی کی دعوت دی ہے جو تمہاراہ سعادت ہےاور تمام چیزوں کی قدر و منز لت اس کے سایہ میں جلوہ گر ہوتی ہے آپ نے فرمایا: یاشیعةآل محمد اتّقوااللہ مااستطعتم ولاحول ولا قوةالّا باللہ۔

اے آل محمد کے شیعوں جہاں تک ممکن ہوسکے تقوی الہی اختیار کرو, کہ خداکے علاوہ کوئی قوت وطاقت نہیں

یعنی یہ تمام امور خدا کی قدرت اور قوت سے ہی امکان پذیر ہیں اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب اس سے پہلے تقوی الٰہی اختیار کیا جائے

تیسری حدیث:

علی بن ابراھیم ،عن ابیہ ،عن ابن ابی عمیر ،عمّن ذکرہ ،عن ابی عبد اللہ (ع) فی قول اللہ عزّوجلّ: (انّا نراک من المحسنین)٧ قال: کان یوسع المجلس ویستقرض للمحتاج ویعین الضعیف۔

اصول کافی ج ٢، ص ٦٣٧ ح ٣

شرح: "انّانراك من المحسنین " ہم آپ کونیک افراد میں سے دیکھ رہے ہیں " یہ کلام حضرت یوسف (ع) کے ساتھ رہنے والے دو قیدیوں کا ہے، جب ان دونوں نے اپنے اپنے خواب کو حضرت یوسف (ع) کو بیان کیااور کہا: "نبّئنا بتاویلہ انّانراك من المحسنین "آپ ہمیں ہمارے خواب کی تعبیر سے آگاہ کریں کیونکہ ہم آپ کونیك افراد میں سے دیکھ رہے ہیں "

---

٦ ۔النھایہ "مادہ "رفق"

٧ ۔ سورہ یوسف آیہ ٣٦،٧٨

حضرت امام جعفر صادق (ع) فرماتے ہیں کہ اس چیز کی علامت کہ انھوں نے جناب یوسف (ع) سے کہا کہ "انا نراک من المحسنین" یہ تھی کہ جناب یوسف (ع) تین خصوصیات کے حامل تھے۔

۱۔ "کان یوسّع المجلس؛ جب بھی کوئی شخص مجلس میں داخل ہوتا تھا تو آپ اس کو جگہ دیتے تھے

مجلس میں آنے والے شخص کو جگہ دینا ایک قرآنی حکم ہے ارشاد ہوتا ہے: "یاایّھا الذین آمنوااذا قیل لکم تفسّحوا فی المجالس فافسحوا یفسح اللہ لکم واذا قیل انشزوا فانشزوا" ۸اے صاحبان ایمان! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں دوسروں کو جگہ دو، تو جگہ دو کہ خدا تمھیں وسعت عطا کرے گا، اور جب کہا جائے کہ اب مجلس سے کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جاؤ۔

۲۔ "ویستقرض للمحتاج؛ محتاج انسانوں کو قرض دیتے تھے، دین اسلام میں قرض دینا ایک ایسی سنّت ہے جس کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے، اور اس کا ثواب صدقہ سے کئی گنا زیادہ ہے جو بغیر پلٹائے جانے کی غرض سے دیا جاتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق (ع) سے روایت ہے آپ نے فرمایا: علی باب الجنّۃ مکتوب: القرض بثمانیۃ عشر، والصدقۃ بعشرۃ، وذلک ان القرض لایکون الالمحتاج، والصدقۃ ربّما وقعت فی ید غیر المحتاج۔" ۹جنّت کے دروازہ پر لکھا ہوا ہے کہ قرض کی اٹھارہ برابر جزا ہے جبکہ صدقہ کی دس برابر، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ قرض یقینی طور پر مستحق کے ہاتھ میں جاتا ہے، لیکن صدقہ ممکن ہے محتاج اور غیر محتاج دونوں کے ہاتھ میں جاسکتا ہے۔

۳۔ "ویعین الضعیف؛ ناتواں افراد کی مدد کرتے تھے۔

مظلوم، ضعیف اور ناتواں افراد کی مدد کرنا خاص طور پر مؤمنین کی اسقدر اہمیت کا حامل ہے کہ اگر اسپر کوئی توجہ نہ کرے تو اسے مؤمنین اور امّت پیغمبر اسلام (ع) کے زمرہ سے خارج جانا گیا ہے، حضرت امام جعفر صادق (ع) نے پیغمبر اسلام (ص) سے روایت کی ہے کہ آپ (ص) نے فرمایا: من اصبح لایھتمّ باموراالمسلمین فلیس منھم ومن سمع رجلاینادی یاللمسلمین فلم یجبہ فلیس بمسلم۔" ۱۰اگر کوئی مسلمانوں کے امور پر توجہ نہ کرے تو وہ مسلمان نہیں ہے اور اگر کوئی کسی آواز سنے کہ جو اسے پکار رہا ہو تو وہ مسلمان نہیں ہے۔

۸۔ سورہ مجادلہ آیہ ۱۱

۹۔ مستدرک الوسائل ج ۱۲ ص ۳۶۴

۱۰۔ وسائل الشیعہ ج ۱۶ ص ۳۳۶ ح ۳

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«انتیسواں سبق»

لوگوں سے خوش اخلاقی (۲)

M.O.U

www.i-MOU.com

research@almustafaou.com

تفصیل

چوتھی حدیث:

محمد بن یحیی ،عن احمد بن محمد ،عن محمد بن سنان عن علاء بن الفضیل ،عن ابی عبداللہ (ع) قال: کان ابو جعفر (ع) یقول : عظّموا اصحابکم وقّروھم ولا یتھجّم بعضکم علی بعض ، ولا تضارّوا ولا تحاسدوا ، وایّاکم والبخل ؛ کونوا عباداللہ المخلصین الصالحین ۔ اصول کافی : ض ۲ ص ۷ ۶۳ ح ۴

شرح: حضرت امام جعفر صادق (ع) نے اپنے والد گرامی حضرت امام محمد باقر (ع) سے شیعوں کے ایکدوسرے سے متعلق بہت اہم وظائف کی طرف اشارہ کیا ہے،اس عبارت "کان ابو جعفر (ع) یقول" سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ امام (ع) مندرجہ ذیل دستورات کی ہمیشہ تاکید کیا کرتے تھے۔

۱۔ "عظّموا اصحابکم وقّروھم "اپنے دوستوں کی تظیم کرواور انکے ساتھ احترام سے پیش آؤ

لغوی اور ادبی بحث: (عظّموا) : باب تفعیل کا امر ہے اس کا مادہ"عظم " ہے جو حقیر کے معنی کے مد مقابل ہے یعنی قوت اور سیادت مادی اور معنوی کے اعتبار سے برتر ہے،اور اگر ہڈی کو بھی " عظم " کہا جاتا ہے تو یہ گوشت کے اعتبار سے ہے کیونکہ اعضاء بدن میں ہڈی سب سے سخت عضو ہے ۱

" اصحاب " " صاحب " کی جمع ہے اس کا مادہ صحب ہے جو بھی انسان کے ساتھ ساتھ رہے اسے صاحب کہا جاتا ہے چاہے وہ حیوان ہو یا انسان ،مکان کے اعتبار سے ساتھ ہو یا زمانہ کے اعتبار سے ، جسمانی اور بدنی اعتبار سے ساتھ ہو یا ہمت کے اعتبار سے خلاصہ یہ کہ جو بھی کسی اعتبار سے انسان کے ساتھ زیادہ رہے اسے صاحب کہا جاتا ہے ۲ پس اصحاب سے مراد وہ افراد ہیں جو انسان کے ساتھ زیادہ رہتے ہیں

(ووقّروھم)؛اس کا مادہ "وقر" ہے جس کے معنی سنگینی کے ہیں اور یہ کنایہ ہے اس بات کا کہ اسکی تعظیم کرو گو یا توقیر،احترام اور تعظیم میں مبالغہ کے لیے استعمال ہوا ہے

۲۔ "ولا یتھجّم بعضکم علی بعض،"

---

۱ ۔التحقیق فی کلمات القرآن الکریم مادہ "عظم "

۲ ۔ مفرادات راغب اصفہانی : مادہ "صحب "

ایک دوسرے پر ناآگاہانہ وارد مت ہو۔

ادبی بحث: (لا یتهجّم) مادہ هجم کا فعل نہی ہے جس کے معنی کسی کے پاس اچانک اسکی بغیر اجازت اور اطلاع کے جانا ہے، ۳یعنی ایک دوسرے کے پاس اچانک اور ناگھانی طور پر مت جاؤ تاکہ کہیں یہ چیز اسکے خوف (شرمندگی) اور اسکے راز واسرار کے فاش ہونے کا سبب نہ بن جائے، یہ قرآن کا ایک دستور ہے کہ تم سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے کے پاس بغیر اجازت کے وارد ہو، ارشاد ہوتا ہے: {يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَتَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (). فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلاَتَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ} (النور/۲۸).

" ایمان والو خبردار اپنے گھروں کے علاوہ کسی کے گھر میں داخل نہ ہونا جب تک کہ صاحبِ خانہ سے اجازت نہ لے لو اور انہیں سلام نہ کرلو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے کہ شاید تم اس سے نصیحت حاصل کرسکو۔

پھر اگر گھر میں کوئی نہ ملے تو اس وقت تک داخل نہ ہونا جب تک اجازت نہ مل جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جانا کہ یہی تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ امر ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے

پیغمبرا سلام () کی سیرت بھی اسی طرح تھی کہ جب آپ چاہتے کہ کسی کے گھر میں داخل ہوں تو پہلے اس سے سلام کے ذریعہ اجازت لیتے تھے، اگر سالم کا جواب آ، تا تھا تو آپ (ص) گھر میں داخل ہو جاتے تھے اور اگر سلام کا جواب نہیں آ، تا تھا تو آپ (ص) واپس پلٹ جاتے تھے۔ ۴

۳۔ ' ولا تضارّوا؛ اور ایک دوسرے کو نقصان مت پہنچاؤ

ادبی بحث: (لا تضاروا) مادہ "ضرر" کا باب مفاعلہ سے فعل نھی ہے اس کے معنی "نفع" کے مد مقابل ہیں قرآن میں بھی اس معنی میں استعمال ہوا ہے

" ولا یملکون لا نفسهم ضرّا ولا نفعا" ۵ وہ اپنے نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔

---

۳ ۔ مجمع البحرین: مادہ " هجم "

٤ ۔ التفسیر الکبیر: ج ۲۳ ص ۱۹۸؛ نور الثقلین ج ۳ ص ۵۶۷-۵۸۷

٥ ۔ سورہ فرقان آیہ ۳

" ولاتدع من دون اللہ مالاینفعک ولا یضرّک "٦؛اور خدا کے علاوہان کو مت پکارو جو تمھیں نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے"

اسلام میں کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کو نقصان پہنچائے یہاں تک کہ قاعدہ "لاضرر" اسلام میں ایک مسلم فقہی قاعدہ ہے، اور یہ ایک ایسا عام قاعدہ ہے جس سے عبادات اور معاملات دونوں میں استدلال کیا جاتا ہے، اور یہ قاعدہ بہت سے فقہی مسائل کا مدرک اور منبع ہے۔ جس پر قرآن، احادیث اور عقل دلالت کرتی ہے۔٧

٤۔ "ولا تحاسدوا؛اور ایک دوسرے سے حسد مت کرو۔

ادبی اور لغوی بحث: (لا تحاسدوا) ، باب مفاعلہ سے مادہ "حسد "کا فعل نہی ہے" حسد " یہ ہے کہ جس کے پاس نعمت ہو اس سے نعمت کے زائل ہونے کی تمنا اور آرزو کی جائے اگرچہ اسے اپنے لیے نہ چاہتا ہو۔٨ قرآن کریم میں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ حاسد انسان کے شرّ سے پناہ مانگو " قل اعوذ برب الفلق۔۔۔۔۔" و من شرّ حاسد اذا حسد "٩ کہیے میں صبح کے پروردگار کی پناہ چاہتا ہوں اور حاسد کے شر سے کہ جب وہ حسد کر رہا ہو ! "

حسد ایک ایسی اخلاقی برائی ہے جس کے بہت سے اجتماعی اور فردی برے اثرات ہیں، حاسد ہمیشہ اس فکر میں رہتا ہے کہ صاحبان علم و فضل، اور مال و دولت سے انکے سرمایہ کو ختم کر دیا جائے، حسد پست ترین رذائل اخلاق میں سے ایک ہے جس میں انسان مبتلا ہو سکتا ہے حسد کا پہلا نقصان خود حاسد کو پہنچتا ہے یہ شخص کسی بھی وقت فکری سکون حاصل نہیں کرپاتا شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق (ع) فرماتے ہیں:

"لا راحۃ لحسود "١٠حاسد انسان کو آرام و سکون حاصل نہیں ہوتا"

حاسد انسان کی حسادت سے نہ فقط یہ کہ وہ چیز جس کی دوسرے سے زائل ہونے کی تمنّا کرتا ہے زائل ہوتی ہے بلکہ خود بھی اس چیز تک نہیں پہنچ پاتا ہے۔ بلکہ بہت سی نعمتیں اس سے زائل ہو جاتی ہیں، حاسد انسان اپنے حسد سے دوسروں سے خدا کی دی ہوئی

---

٦ ۔سورہ یونس آیہ ١٠٦

٧ ۔رجوع فرمائیں: ناصر مکارم شیرازی، القواعد الفقہیہ ج ١ص ٢٨

٨ ۔مجمع البحرین: مادہ "حسد"

٩ ۔سورہ فلق آیہ ١-٥

١٠ ۔خصال ص ١٦٩

نعمتوں کو زائل نہیں کر سکتا اور کیونکہ خود بھی ان نعمتوں تک دسترسی نہیں رکھتا لہٰذا اسکی روح ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہتی ہے۔

حضرت علی (ع) فرماتے ہیں : "الحسود ابداعلیل "۱۱ حاسد ہمیشہ بیمار رہتا ہے۔

نیز آپ فرماتے ہیں : الحسود دائم السقم وان کان صحیح الجسم۔ حاسد ہمیشہ بیمار رہتا ہے اگرچہ ظاہری طور پر اس کا جسم سالم ہی کیوں نہ ہو ۱۲ حاسد کسی بھی صورت صحیح وسالم نہیں رہ سکتا اور اسکے علاج کی راہ یہ ہے کہ یا تو حاسد کی موت ہو جائے یا پھر جس سے حسد کر رہا ہے اس کی موت واقع ہو جائے۔ جیسا کہ مولائے کائنات فرماتے ہیں : "الحسد داء عیاء لایزول الّا بھلک الحاسد او موت المحسود " حسد ایسی بیماری ہے کہ جس کا علاج حاسد یا محسود کی موت ہی سے ہوتا ہے۔ ۱۳

۵۔ " وایّاکم والبخل " بخل سے بچو "

ادبی بحث : (ایّاکم) اسم فعل ہے جس کے معنی "احذروا" (بچو، پرہیز کرو) کے ہیں

لغوی بحث : (البخل) : اس کے معنی امساک، روکنے اور اس مال کو حبس اور قید کرنے کے ہیں جسے خرچ کرنا چاہیے اور اسکے مد مقابل جود وبخشش اور عطا کرنا ہے۔ ۱۴

بخل اور حسد میں فرق یہ ہے کہ حاسد کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ جو نعمت خدا نے دوسروں کو دی ہے وہ زائل ہو جائے چاہے اسے ملے یا نہ ملے اس کے لیے جو چیز اہم ہے وہ یہ ہے کہ دوسروں کے پاس سے زائل ہو جائے، لیکن بخیل انسان اسے کہتے ہیں کہ جو یہ چاہتا ہے کہ فلاں چیز صرف اس کے پاس رہے اور دوسروں کے پاس نہ ہو، اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ خود غنی رہے اور دوسرے فقیر اور جس فضل سے خدا نے اسے نوازہ ہے دوسرے اس سے بہرہ مند نہ ہوں۔ قرآن کریم فرماتا ہے :

{ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى } (اللیل/۸) .... { فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى } (اللیل/۱۰). { وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى } (اللیل/۱۱). اور جس نے بخل کیا اور لاپروائی برتی---اس کے لئے سختی کی راہ ہموار کردیں گے اور اس کا مال کچھ کام نہ آئے گا جب وہ ہلاک ہوجائے گا

---

۱۱ ۔ مستدرک الوسائل ج ۱۲ ص ۲۱

۱۲ ۔ مدرک سابق س ۲۲

۱۳ ۔ عیون الحکم والمواعظ ص ۵٦

۱٤ ۔ مفرادات راغب اصفہانی : مادہ " بخل "

اور دوسری آیت میں بخل کو منافقین کی صفت میں سے قرار دیا ہے، ارشاد ہوتا ہے: {فَلَمَّا آتَاهُمْ مِنْ فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوا وَهُمْ مُعْرِضُونَ} (التوبة/٧٦) اس کے بعد جب خدا نے اپنے فضل سے عطا کر دیا تو بخل سے کام لیا اور کنارہ کش ہو کر پلٹ گئے

بخیل انسان نہ فقط یہ کہ دوسرے انسانوں کو فائدہ پہنچانا نہیں چاہتا بلکہ کبھی وہ دوسروں کو بھی بخل کا حکم دیتا ہے، کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسرے لوگ خیر اور نیکی کے نشر کا سبب بن جائیں قرآن کریم نے اس صفت کو متکبّر، خیالی اور فخر فروش انسان کی صفات میں شمار کیا ہے۔

{الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ...} (الحديد/٢٤).

جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں۔۔۔

لیکن اس چیز سے غافل ہیں کہ وہ جس فضل الہی کے سلسلہ میں بخل کرتے ہیں اور خدا کے بندوں کو ان نعمتوں سے بہرہ مند ہونے سے روکتے ہیں، یہ سب ان کے لیے عذاب بن جائے گا جس میں وہ گرفتار ہو جائیں گے، جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے: "سیُطوّقون ما بخلوا به "[15] عنقریب روز آخرت میں جس چیز کے بارے میں انھوں نے بخل کیا وہ انکی گردن کا طوق بن جائے گا"

آخر میں امام (ع) ان دستورات اخلاقی کے نتیجہ کو نیک عمل خدا کی خالصانہ عبادت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: " کونوا عباد الله المخلصین الصالحین" "خدا کے مخلص اور نیک بندے بنو"

پانچویں حدیث:

محمد بن يحيى، عن احمد بن محمد بن عيسى، عن الحجال، عن داؤد بن ابى يزيد وثعلبه وعلى بن عقبه، عن بعض من رواه، عن احدهما (ع) قال: الانقباض من النّاس مكسبة للعداوة"

ادبی ولغوی بحث: (الانقباض) باب انفعال کا مصدر ہے، اس کا مادہ " قبض" ہے جس کے معنی سکڑنے کے ہیں اس کے مدّ مقابل "بسط" ہے جس کے معنی کھلنے اور کشادہ ہونے کے ہیں "الانقباض" یعنی "الانقباض الوجہ "اس پر "ال" الف لام، عوض ہے، انقباض الوجہ کے معنی شکل وصورت کا جمع ہونا ہے باالفاظ دیگر ترش روئی کو کہتے ہیں

---

١٥ - سورہ آل عمران آیہ ١٨٠

"مکسبہ" مادہ کسب (جس کے معنی کسی چیز کا ہاتھ میں آنا اور حاصل کرنا ہے) کا اسم آلہ ہے، حدیث کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کے ساتھ ترش روئی سے پیش آنا انسان کے لیے دشمن ساز ہے

شرح: یقینا لوگوں کے ساتھ آمدورفت اور ان کے ساتھ رویّے اور برتاؤ کا انسان کے ایک دوسرے کے ساتھ روابط پر بہت گہرا اثر ہوتا ہے، اگر یہ ملاقات اور دیدار خندہ پیشانی اور کشادہ روئی کے ساتھ ہو تو یقینا مدّمقابل پر اس کے مثبت اثرات مرتب ہونگے جس کے نتیجہ میں پر از محبت روابط پیدا ہونگے لیکن اگر یہ ملاقات ترش روئی اور بے رخی کے ساتھ ہو تو مدّمقابل پر اس کے منفی اثرات ہونگے اور وہ ہرگز اس بات پر راضی نہ ہوگا کہ اس ارتباط کو قائم رکھا جائے، بلکہ وہ اس بات کا آرزومند ہوگا کہ یہ ارتباط جلد سے جلد ختم ہو کر ایک طویل مدّت یا پھر ہمیشہ کی جدائی میں تبدیل ہو جائے۔

سوالات:

۱۔اس حدیث "من خالطت فان استطعف ان تکون یدک العلیا علیھم فافعل" کی وضاحت کریں

۲۔ "مخالقہ" سے کیا مراد ہے؟

۳۔ "ممالحہ" سے کیا مراد ہے اور کس چیز کا کنایہ ہے؟

۴۔ "اس آیت "انّا نراک من المحسنین" کے ذیل میں حضرت امام جعفر صادق (ع) کے فرمان کی وضاحت کریں

۵۔ "کان یوسّع المجالس" قرآن کی نظر میں اس سے کیا مراد ہے؟

۶۔اس عبارت "عظمواا صحابکم و وقّروھم" کے الفاظ کے معنی کے ساتھ وضاحت کیجیے اور بتایئے کہ "و قرّوھم" "عظموا" پر عطف ہے یہ کس چیز کی علامت ہے؟

۷: "لا یتھجّم" سے کیا مراد ہے؟ اور کسی کے پاس اس کی بغیر اجازت کے جانا کیسا ہے؟ قرآن اور حدیث کی روشنی میں جائزہ لیں

۸۔ حسد کا قرآن اور حدیث کی روشنی میں جائزہ لیں۔

۹۔ "بخل" اور "حسد" میں کیا فرق ہے؟

۱۰۔اس حدیث "الانقباض من النّاس مکسبۃ للعداوۃ" کی وضاحت کریں۔

مشق

مندرجہ ذیل احادیث کی سند اور متن کا جائزہ لیں

۱۔ عدّۃ من اصحابنا، عن سھل بن ز یاد، عن عبدالرّحمٰن بن ابی نجران، عن عاصم بن حمید، عن محمد بن مسلم، عن ابی جعفر (ع) قال: کان سلمان رحمہ اللہ یقول: افشوا سلام اللہ فانّ سلام اللہ لا ینال الظالمین۔

۲۔ عدّۃ من اصحابنا، عن احمد بن محمد، عن ابن فضـ ّال عن ثعلبہ بن میمون، عن محمد بن قیس عن ابی جعفر (ع) قال: انّ اللہ عزّوجل یحبّ افشاء السّلام۔

۳۔ عنہ عن ابن فضّال عن معاویہ بن وھب عن ابی عبداللہ (ع) قال: انّ اللہ عزّوجلّ قال: انّ البخیل من یبخل بالسّلام۔

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«تیسواں سبق»

جن افراد کی صحبت باعث سعادت ہے

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

جن افراد کی صحبت باعث سعادت ہے

پہلی حدیث:

عدّة من اصحابنا ،عن احمد بن محمد ،عن حسین بن الحسن ،عن محمّد بن سنان ،عمّار بن موسی ،عن ابی عبدالله (ع) قال: قال امیر المؤمنین (ع) لا علیک ان تصحب ذا العقل وان لم تحمد کرمه ولکن انتفع بعقله واحترس من سیّء اخلاقه ولا تدعنّ صحبة الکریم وان لم تنتفع بعقله ولکن انتفع بکرمه بعقلک وافرر کلّ الفرار من اللّئیم الاحمق۔ اصول کافی ج ۲، ص ۶۳۸ ح ۱

شرح: اس حدیث میں جو حضرت امام جعفر صادق (ع) نے اپنے جدّ بزرگوار حضرت امیر المؤمنین (ع) سے نقل کی ہے، حضرت علی (ع) انسانوں کو تین گروہ میں تقسیم کرتے ہیں

پہلا گروہ: وہ افراد ہیں جو صاحبان عقل و خرد اور فکر و اندیشہ ہیں، لیکن مادّی اعتبار سے صاحب جود و کرم نہیں ہیں اور کوئی شخص ان سے بہرہ مند نہیں ہوتا ہے

دوسرا گروہ: ان افراد پر مشتمل ہے جو مالی اعتبار سے صاحب کرامت ہیں اور اہل جود و کرم ہیں، اور بندگان خدا کو ان نعمتوں سے نوازتے ہیں جو نعمتیں انھیں خدا نے دی ہیں، لیکن عقل و خرد اور فکر و اندیشہ کے اعتبار سے نچلے درجے پر ہے

تیسرا گروہ: وہ افراد ہیں جو نہ مالی اعتبار سے اہل جود و کرم ہیں اور نہ ہی عقل و خرد کے اعتبار سے کسی قابل ہیں

اس کے بعد حضرت علی (ع) نے ان گروہوں میں سے ہر ایک کے لیے مخصوص حکم صادر فرمایا:

پہلے گروہ کے لیے فرمایا کہ ان کے ساتھ ہم نشینی کرو آپ فرماتے ہیں: "لا علیک ان تصحب ذا العقل وان لم تحمد کرمه ولکن انتفع بعقله واحترس من سیّء اخلاقه؛ صاحبان عقل کی صحبت اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ ان کے کرم کی تعریف نہ کرو ان کی عقل سے بہرہ مند ہو اور انکی برائیوں سے پرہیز کرو۔

دوسرے گروہ کی بھی ہم نشینی کا حکم دیا ہے آپ (ع) فرماتے ہیں: "ولاتدعن صحبۃالکریم وان لم تنتفع بعقلہ ولکن انتفع بکرمہ بعقلک؛ ہرگز کریم انسان کی ہم نشینی کو ترک نہ کرو اگرچہ اس کی عقل سے بہرہ مند نہ ہو لیکن اپنی عقل سے اس کے کرم سے بہرہ مند ہو

تیسرے گروہ سے دوری اختیار کرنے کو کہا ہے، آپ (ع) فرماتے ہیں: وا فرر کل الفرار من اللئیم الاحمق "جو انسان نہ عقل رکھتا ہے اور نہ صاحب جود و کرم ہے اس سے پرہیز کرو اور دور رہو

لغوی بحث: (اللئیم) دنی الاصل ایعنی پست فطرت وہ شخص جو پست فطرت ہے

(الاحمق) اس کا مادہ "حُمُق" ہے جس کے معنی کم عقلی کے ہیں ۲

دوسری حدیث:

عنه ،عن عبدالرّحمن بن ابی نجران ،عن محمد بن الصلت ،عن ابان عن ابی العدیس ،قال: قال ابو جعفر (ع) یا صالح ،اتّبع من یبکیک وهو لک ناصح ولا تتّبع من یضحکک وهولک غاش،وستردون علی الله جمیعاً فتعلمون" اصول کافی ج۲، ص ۶۳۸، ح۲

شرح: اس روایت میں جو حضرت امام محمد باقر (ع) سے نقل ہوئی ہے آپ (ع) فرماتے ہیں: "یا صالح۔۔۔ یہاں صالح سے مراد کون ہے؟ تین احتمال پائے جاتے ہیں:

۱۔ اس سے مراد "صالح" ہے یعنی وہ شخص جو صالح اور نیک ہے

۲۔ "صالح" اس آخری راوی کا نام جسے حضرت نے مورد خطاب قرار دیا ہے کہ کتاب تھذیب ۳ اور کتاب محاسن برقی ۴ میں اسی طرح ہے یعنی یہ شخص 'ابو العدیس کے علاوہ کوئی دوسرا راوی ہے اس صورت میں بھی وہ مجہول ہے

۳۔ صالح " ابو العدیس "کا لقب ہے جیسا کہ کتاب 'اعیان الشیعہ' میں اسے ابو العدیس صالح کے نام سے یاد کیا ہے ۵

۱۔ مجمع البحرین: مادہ "لام

۲۔ لسان العرب: مادہ "حمق"

۳۔ تھذیب الاسلام ج۶ ص ۳۷۷

۴۔ المحاسن ج۷ ص ۶۰۴

۵۔ اعیان الشیعہ ج۷ ص ۳۶۹

بہر حال امام (ع) نے صالح کو مورد خطاب قرار دینے کے بعد اسے ظاہری سختیوں کے برداشت کرنے کی طرف دعوت دی ہے

آپ (ع) فرماتے ہیں: 'اتّبع من یبکیک وھولک ناصح "جو تمھیں رولادے اس کی پیروی کرو کہ وہ تمہارا خیر خواہ ہے'

یعنی وہ شخص جو ظاہری طور پر سخت قسم کے احکامات، طاقت فرسا دستورات، عبادت و بندگی اور سخت تکالیف شرعیہ کی تاکید کے ذریعہ تجھے سختی میں ڈال دے اور تجھ سے بہت سے آرام و سکون کو سلب کرلے درحقیقت وہ تیرا خیر خواہ ہے وہ چاہتا ہے کہ تجھے سعادت تک پہنچادے اور خدا سے قرب کے اسباب تیرے لیے فراہم کردے

ایسا شخص پیروی کا مستحق ہے، تو اس کی پیروی کر۔

اس بعد امام (ع) نے اس شخص کی پیروی سے خبر دار کیا جو ظاہری طور پر تجھے ہنساتے ہیں، آپ نے فرمایا: ولا تتّبع من یضحکک وھولک غاش "اس شخص کی پیروی مت کر جو تجھے ہنساتا ہے اور وہ تجھے دھوکہ دینے والا ہے۔

یعنی جو ظاہری طور پر تمہیں ہنساتا ہے اور تمھیں خوش و خرم رکھتا ہے وہ درحقیقت تمھیں فریب دیتا ہے، جس میں تیری بہتری ہے وہ تجھے نہیں بتاتا اور تجھ سے پوشیدہ رکھتا ہے اور جس چیز کو تیرے لیے بیان کررہا ہے وہ تیری مصلحت میں نہیں ہے تیری عمر کو تباہ کررہا ہے اس کی پیروی نہ کر۔

ادبی اور لغوی بحث: (غاش) مادہ "غش" کا اسم فاعل ہے اسکی ضد خیر خواہی اور نصیحت ہے[٦] "غش" خیر خواہی کا اظہار نا کیا اور جو کچھ اسکے باطن میں تھا اسکے خلاف ظاہر کیا۔[٧]

آخر میں امام (ع) نے اسے قیامت اور خدا کے حضور پیش ہونے کے بارے متوجہ کیا" وستردون علی اللہ جمیعا فتعلمون؛ اور عنقریب تم سب خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوگے اور پھر جان لوگے۔

یعنی جب قیامت کے دن حساب کتاب کے لیے خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوگے تو اس قول کی حقیقت کو جان لوگے اگرچہ آج بہت سارے پردے تمھارے اور حقائق کے درمیان پڑے ہوئے ہیں اور تم حقائق تک نہیں پہنچ پاتے۔

---

٦ ۔ لسان العرب: مادہ "غشش"

٧۔ مجمع البحرین مادہ "غشش"

تیسری حدیث:

عنه عن محمد بن علی عن موسی بن یسار القطّان عن المسعودیّ ،عن ابی داؤد ،عن ثابت بن ابی صخرہ ،عن ابی الزّعلی ،قال،قال امیر المؤمنین (ع) قال رسول اللہ (ع) انظروا من تحادِثون فانّه لیس من احد ینزل به الموت الّا مثل له اصحابه الی اللہ ان کانوا خیارا فخیارا وان کانوا شرارا فشرارا ولیس احد یموت الّا تمثّلت له عند موته۔

اصول کافی ج۲۔ص ۶۳۸۔ح ۳

شرح: اس حدیث میں جسے حضرت علی (ع) نے پیغمبرا سلام (ص) سے نقل کیا ہے ہم نشینوں اور دوستوں کے بارے میں کہ جن سے انسان کو رابطہ رکھنا چاہیے۔وصیت کی گئی ہے،آپ فرماتے ہیں "انظروا من تحادثون؛ یہ دیکھو کس سے ہم کلام ہو۔یعنی جس سے معاشرت رکھنا چاہتے ہو وہ کس قسم کا آدمی ہے نیک ہے یا فاسد؟ عالم ہے یا جاہل؟اسلام کے احکام پر عمل کرنے والا ہے یاان سے لاپروائی کرنے والا اگر اہل علم و عمل اور نیک ہے تو اس سے معاشرت کرو ورنہ اس کے ساتھ معاشرت اور ہم نشینی سے پرہیز کرو۔

اس کے بعد حضرت نے اس امر کی علت کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: " فانّہ لیس من احد ینزل بہ الموت الّا مثل لہ اصحابہ الی اللہ ان کانوا خیارا فخیارا وان کانوا شرارا فشرارا ولیس احد یموت الّا تمثّلت لہ عند موتہ۔

جس شخص کی بھی موت آجاتی ہے اس کے ساتھ اسکے وہ دوست واحباب جو خدا کی طرف اس کے ساتھ جاتے ہیں مجسم ہو جاتے ہیں (اور وہ ان کے ساتھ محشور ہوتا ہے) پس اگر وہ نیک افراد میں سے ہوں تو مجسم شدہ افراد بھی نیک ہوتے ہیں اور اسے بشارت دیتے ہیں اور خوش کرتے ہیں،اور اگر بد ہوں تو مجسم شدہ افراد بھی بد ہوں گے اور اسکی ملامت اور سرزنش کرینگے اور وہ متحیر اور پشیمان ہو جائے گا۔

اس کے بعد حدیث کے آخر میں پیغمبرا سلام (ص) یا حضرت علی (ع) اپنے شخص محتضر کے سرہانے حاضر ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: " ولیس احد یموت الّا تمثّلت لہ عند موتہ "میں ہر مرنے والے کے سرہانے حاضر ہوتا ہوں۔ پیغمبراسلام (ص) یا حضرت علی (ع) کے اس کلام سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ ہر مرنے والے کے سرہانے حاضر ہوتے ہیں چاہے وہ مرنے والا شخص ان کے محبّین اور دوستوں میں سے ہو یا دشمنوں میں سے،اپنے محبّوں اور دوستوں کے پاس اس لیے

آتے ہیں ,تا کہ ان کا استقبال کریں اور انھیں جنّت کی بشارت دیں اور دوشمنوں کے ,پاس اس لیے آتے ہیں ,تا کہ انکی سرزنش کریں اور انھیں جھنم کی خبر دیں۔

اس حدیث کا پیغام یہ ہے کہ اپنے دوستوں کو ان افراد میں سے انتخاب کروجو اہل بیت (ع) کے دوست اور محبّ ہیں ، پیغمبر اسلام (ص) یا حضرت علی (ع) یا اہل بیت (ع) کے محتضر کے سرہانے آنے کے بارے میں بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں۔

سدیر صیعفی کہتے ہیں میں نے حضرت امام جعفر صادق (ع) سے عرض کی :اے فرزند رسول کیا مؤمن اپنی روح کے قبض ہونے سے ناخوش ہوتا ہے ؟آپ (ع) نے فرمایا: لا واللہ انّہ اذا اتاہ الملک الموٴت لقبض روحہ جزع عند ذلک فیقول لہ ملک الموت : یا ولی اللہ لا تجزع فوالذی بعث محمدا (ص) لانا ابرّ بک واشفق علیک من ولد رحیم لو حضرک ,افتح عنییک فانظر , قال: ویمثل لہ رسول اللہ وامیر الموٴمنین وفاطمہ والحسن والحسین والائمّہ من ذرّیتھم (ع) فیقال لہ : ھذا رسول اللہ وامیر الموٴمنین وفاطمہ والحسن والحسین والائمّہ رفقاؤک۔ قال : فیفتح عینہ فینظر فینادی روحہ مناد من قبل رب العزہ فیقول : " یاایّتھا النفس المطمئنّةُ" الی محمد واھل بیتہ "ارجعی الی ربّک راضیہ " بالولایة "مرضیة" بالثواب " فادخلی فی عبادی " یعنی محمد اواھل بیتہ "وادخلی جنّتی " فما من شیء احبّ الیہ من استلال روحہ واللحوق بالمنادی۔۸

"خدا کی قسم ہر گزایسا نہیں ہے ,جب ملک الموت اس کے پاس آئے گا تو وہ گریہ وزاری کریگا لیکن ملک الموت اس سے کہے گا ,اے اللہ کے ولی گریہ نہ کرو ,اس ذات کی قسم جس نے محمد کو مبعوث کیا ,یقینا میں تیرے مہربان والد سے زیادہ تجھ پر مہربان اور تیرا غمخوار ہوں اپنی آنکھوں کو کھولو اور دیکھو ,امام (ع) نے فرمایا : پیغمبر اسلام (ص) امیر الموٴمنین جناب فاطمہ اور حسن اور حسین اور آئمّہ (ع) اسکے لیے مجسم ہو جائینگے (ملک الموت اس سے کہے گا) یہ لوگ تیرے دوست وہمدرد ہیں پس وہ اپنی آنکھیں کھول دے گا اور دیکھے گا اور اس کی روح رب العزت کی طرف سے مورد خطاب واقع ہو گی وہ کہے گا اے محمد (ص) اور انکی اہل بیت کی طرف سے نفس مطمئن ,اپنے رب کی طرف اس حالت میں پلٹ آکہ ولایت پر خوش اور اس کی جزا پر وہ تجھ سے راضی ہے ، میرے عبادت گذاروں یعنی محمد (ص) اور انکی اہل بیت (ع) کی صفوف میں جنّت میں داخل ہو جا ,پس اس طرح اس وقت اسکی روح کے لیے اس آواز پر لبیک کہنے سے بڑھ کر کوئی اور چیز نہیں ہو گی۔

---

۸ ۔ اصول کافی ج ۳ ص ۱۲۸

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد و اسالیب

«اکتیسواں سبق»

جن افراد کی صحبت باعث سعادت ہے (۲)

تفصیل

چوتھی حدیث

علی بن ابراھیم عن ابیه عن ابن ابی عمیر ،عن بعض الحلبیین ،عن عبدالله بن مسکان ،عن رجل من اھل الجبل لم یسمه ،قال: قال ابو عبدالله (ع) علیک بالتّلاد وایّاک وکلّ محدث لا عھد له ولا امان ولا ذمّة ولا میثاق ،وکن علی حذر من اوثق النّاس عندک۔

اصول کافی ج ۲ ص ۶۳۹ ح ۴

شرح: اس حدیث میں حضرت امام جعفر صادق (ع) نے تین قسم کے افراد کی دوستی ورفاقت کی تاکید کی ہے۔

ا۔ اپنے پرانے اور قدیمی دوستوں سے رابطہ رکھنے کی تاکید کی آپ فرماتے ہیں: "علیک بالتّلاد" اپنے پرانے دوستوں سے رابطہ رکھو

ادبی اور لغوی بحث: (علیک) یہ اسم فعل ہے جس کے معنی "الزم" لازم وضروری کے ہیں، (التلاد) مادہ تلد سے ہے جس کے معنی قدیمی اور اصلی مال کے ہیں جو خود انسان کے پاس سے صادر ہوا ہو یعنی اس کی اپنی پیداوار ہو۔اس حدیث میں اسکے معنی محبوب ،قدیمی اور پرانے دوست کے ہیں۔ ا

۲۔ ہر نئے دوست سے رابطہ سے خبردار کیا آپ فرماتے ہیں: وایّاك وكلّ محدث لا عھد له ولا امان ولا ذمۃ ولا میثاق" ہر نئے دوست سے بچو کہ اس کے اور تمھارے درمیان نہ کوئی عھد وپیان ہے اور نہ وہ مورد اطمینان ،نہ وہ اپنے ذمہ کوئی چیز لیتا ہے اور نہ ہی اس کا عھد وپیان محکم ہے۔

ادبی اور لغوی بحث: (ایّاك) یہ اسم فعل ہے جس کے معنی "احذر" (خبردار) کے ہیں اور "محدث" اس کا مادہ حدث ہے، جس کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو پہلے نہیں تھی بعد میں وجود میں آئی ہو، ۲ اور یہاں پر مراد ایسے نئے دوست کے ہو صفت کمال سے متصف نہیں ہے یا یہ کہ اسکی صفات کمال ابھی تجربہ سے ثابت نہیں ہوئی ہیں۔

ظاہراحدیث کے ان دو فقروں سے امام (ع) کی مراد یہ ہے کہ دو پرانے اور قدیمی دوستوں میں دوستی اور رفاقت کا رابطہ برقرار رہنا چاہیے ،اور آسانی سے ختم نہیں ہونا چاہیے ،اور نئے دوستوں سے دوستی کے عدم عہد وپیان کی وجہ سے پرہیز کرنا چاہیے ، یا کم از کم احتیاط کرنی چاہیے۔اور ممکن ہے کہ اس حدیث کے حقیقی معنی یہ ہوں کہ اس امام کے ساتھ ہونا ضروری ہے جسکی امامت

ا۔ مجمع البحرین: مادہ "تلد"

۲۔ مفردات راغب اصفھانی مادہ "حدث"

سب سے پہلے خداوند متعال کی طرف سے پیغمبر اسلام (ص) کے ذریعہ غدیر خم کے مقام پر ثابت ہو چکی ہے ،اور اس شخص کی امامت اور رہبری کو قبول کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے جسکی امامت کو پیغمبر اسلام کی رحلت اور حضرت علی (ع) کی غدیر خم کے مقام پر امامت کے ثابت ہونے کے بعد پیش کیا گیا، کہ جو ہر گز اس مقام کے لائق نہیں ہے۔

اس کے بعد امام (ع) دوستی کے سلسلہ میں تیسرے نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں : وکن علی حذر من اوثق النّاس عندک۔اور جو لوگ تمھارے نزدیک بہت زیادہ قابل اعتماد ہیں ان سے بھی وشیار رہو۔

اس آخری فقرہ سے امام (ع) کی مراد کیا ہے اس سلسہ میں دو احتمال پائے جاتے ہیں :

۱۔اگرچہ تیرے نزدیک سب سے زیادہ قابل اعتماد ہے مگر پھر بھی اپنے تمام راز و اسرار بتانے سے اسے پرہیز کرکہ ممکن ہے کہ ایک دن وہ تیرا دشمن ہو جائے۔

۲۔اسکی ظاہری وثاقت اور سچائی پر اعتماد نہ کرو بلکہ پہلے اسے آزماؤ جب وہ آزمائش میں قبول ہو جائے اور مختلف امتحان میں پاس ہو جائے تب اسے اپنے دوست کے عنوان سے قبول کرو۔

پانچویں حدیث :

عدّة من اصحابنا عن احمد بن محمد رفعه الی ابی عبدالله (ع) قال: احبّ اخوانی الیّ من اهدی الی عیوبی۔

اصول کافی ج ۲ ص ۶۳۹ ح ۵

شرح:ہر شخص کے دوست کئی طرح کے ہو سکتے ہیں :

کچھ دوست وہ ہیں جو اپنے دوستوں کی ترقی اور پیشرفت سے غم وغصہ کا اظہار کرتے ہیں اور انکے عیوب پر خوشحال ہوتے ہیں ،یہ حقیقت میں انسان کے دشمن ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ اسکے عیوب میں مزید اضافہ ہو یہ افراد نہ فقط برے کام پر تنقید نہیں کرتے بلکہ اسکی ترغیب دیتے ہیں انکا کام شیطانی کام ہے جس کے بارے میں قرآن نے کہا ہے : "زیّن لھم سوء اعمالھم "[۳] انکے اعمال کی برائی ان کے لیے زینت بن گئی ہے۔

۳۔سورہ توبہ آیہ ۳۷

کچھ دوست وہ ہیں جو اپنے دوستوں کی خوشحالی کے بارے میں سوچتے ہیں اور نہ فقط انکی فضیلت سے خوش ہوتے ہیں بلکہ انکے عیوب کی بھی اچھی طرح نشاندہی کرتے ہیں یہ لوگ چاپلوس ہیں کہ اگر انھیں دشمن نہ کہا جائے تو یہ دشمن سے کم بھی نہیں ہیں انکے عمل سے نہ کسی کی ہدیت ہوتی ہے اور نہ ہی کسی کے عیوب کی اصلاح ہوتی ہے۔

تیسرے قسم کے دوست وہ افراد ہیں جو نہ اپنے دوستوں کے فضائل سے خوش ہوتے ہیں اور نہ ان کے عیوب سے غمگین نہ انکی ترقی چاہتے ہیں اور نہ ہی انکی پستی، یہ وہ دوست ہیں جنکا ہونا سود مند نہیں ہے اور نہ ہی نہ ہونا نقصان دہ ہے

چوتھے قسم کے دوست وہ افراد ہیں جو فقط اپنے دوست کی ترقی اور پیشرفت کے بارے میں سوچتے ہیں انکی ترقی کو اپنی ترقی اور انکی شکست کو اپنی شکست سمجھتے ہیں اس کی خوبیوں سے خوش اور اس کے عیوب سے غمگین ہوتے ہیں لہٰذا اس کے عیوب کو برطرف کرنے کے لیے کوشش کرتے ہیں عیوب کے برطرف کرنے کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ صاحب عیوب کو اس کے عیب کی طرف متوجہ کرنا ہے یہ بہترین دوست ہیں اور حضرت امام جعفر صادق (ع) کی تعبیر کے مطابق یہ وہ دوست ہیں جو اپنے دوست کو اس کے عیوب تحفہ کے طور پر پیش کرتے ہیں اس لیے آپ (ع) نے فرمایا: احبّ الیّ من اھدی الیّ عیوبی " میرے نزدیک میرے سب سے بہترین دوست وہ ہیں جو میرے عیوب کو میرے لیے بیان کریں۔"

امام (ع) کے کلام سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے عیب کو نہایت سچائی کے ساتھ اسکے سامنے بیان کرے تو اسے اس کا شکر گزار اور خوشحال ہونا چاہیے جس طرح سے لوگ تحفہ لینے کے بعد خوشحال ہوتے ہیں اور تحفہ کے دینے والے کا شکریہ ادا کرتے ہیں نہ یہ کہ عیوب کا بتانا کینہ اور کدورت کا باعث بن جائے اور انتقام لینے کی فکر میں رہے۔

چھٹی حدیث:

عدّة من اصحابنا عن احمد بن محمد ،عن محمد بن الحسن ،عن عبید الله الدهقان ،عن احمد بن عائذ ،عن عبید الله الحلبی ،عن ابی عبدالله (ع) قال: لا تکون الصّداقة الّا بحدودها فمن کانت فیه هذه الحدود او شیء منها فانسبه الی الصداقة ومن لم یکن فیه شیء منها فلا تنسبه الی شیء من الصداقة:

اوّلها: ان تکون سریرته وعلانیته لک واحدة

والثّانی: ان یری زینک زینه وشینک شینه

الثّالثة: ان لا تغیّره علیک ولایة ولا مال

والرّابعة : ان لا یمنعک شیئاً تناله مقدرته

والخامسة : وھی تجمع ھذہ الخصال ان لا یسلمک عند النّکبات اصول کافی ج ۲ ص ۶۳۹ ح ۶

شرح: انسانوں کے درمیان ہر قسم کے رابطہ کی ایک خاص حد ہے اگر اس حدود اربعہ سے باہر جائے تو گویا اس نے اپنی حد سے تجاوز کیا ہے، انسانوں کے درمیان ایک رابطہ صداقت اور دوستی کا رابطہ ہے حضرت امام جعفر صادق (ع) نے اس رابطہ کے لیے ایک حد کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں : " لا تکون الصداقۃ الّا بحدودھا، فمن کانت فیہ ھذہ الحدود او شیء منھا فانسبہ الی الصداقۃ،

صداقت اور دوستی اس وقت تک متحقق نہیں ہوسکتی جب تک کے اس کے شرائط اور اسکی حدود کا خیال نہ رکھا جائے اگر کسی میں یہ تمام یا ان میں سے کچھ شرائط پائے جائیں تو اسکی نسبت دوستی کی طرف دی جاسکتی ہے (یعنی اسے دوست بنالو) اور کسی میں ان میں سے کچھ شرائط بھی نہیں پائے جاتے تو اسکی نسبت دوستی کی طرف مت دو (یعنی اسے اپنا دوست مت بناؤ)

لغوی بحث: (الصداقہ) اس کا مادہ صدق ہے جس کے معنی حق کے اعتبار سے محکم ، مکمل اور کسی چیز کے برخلاف ہونے سے دوری کے ہیں، اور یہ متعدد موارد کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔

احساس میں یعنی احساس صحیح ، مکمل ، محکم اور حقیقت پر مبنی ہو اور صدیق اور دوست وہ ہے جس میں یہ صفات پائے جاتے ہوں۔ ۴

(الحدود) : اس کا مادہ "حدّ" ہے جس کے معنی دو چیزوں کے درمیان ایسا مانع ہے، جو دو چیزوں کو ایک دوسرے سے ملنے نہیں دیتا ہے۔ فارسی میں اسے "مرز" کہتے ہیں۔ ۵

دوستی کے شرائط

امام (ع) نے اس حدیث میں دوستی کے شرائط کو اس طرح بیان کیا ہے؛

"اوّلھا : ان تکون سریرتہ وعلانیتہ لک واحدۃ: ان حدود میں سے پہلی حد یہ ہے کہ اس کا ظاہر اور باطن تیرے لیے ایک ہو یعنی جو کچھ اس کی زبان پر جاری ہو اور اسکا اظہار کرے وہی اس کے دل میں ہو اور اس سے ذرہ برابر مختلف نہ ہو۔

۴۔ رجوع فرمائیں : التحقیق فی کلمات القرآن الکریم مادہ "صدق"

۵۔ مفردات راغب اصفھانی "مادہ "حد"

"والثّانی" ان یری زینک زینہ وشینَک شینہ "اور دوسرا یہ کہ تیری زینت کو اپنی زینت اور تیرے عیب کو اپنا عیب سمجھے، یعنی جو کچھ اپنے لیے پسند کرے تیرے لیے بھی پسند کرے اور جو اپنے لیے پسند نہ کرے تیرے لیے پسند نہ کرے۔

"الثالثۃ: ان لا تغیّرہ علیک ولایۃ ولا مال" تیرے اوپر اسکی ولایت اور اس کا مالدار ہونا تیرے اور اس کے درمیان رابطہ کو تبدیل نہ کردے۔

یعنی مالدار اور دنیاوی مقام ومنصب پر فائز ہونے کے بعد بھی تیرا اور اس کا رابطہ باقی رہے اور تجھ سے اسکی دوستی باقی رہے۔

"والرابعۃ" ان لا یمنعک شیئا تنالہ مقدرتہ" یعنی جس حد کوئی چیز اسکی طاقت اور قدرت میں ہو وہ تجھے اس سے منع نہ کرے۔ یعنی جس حد تک ممکن ہوسکے تیری مدد کرنے میں دریغ نہ کرے اور تیری مدد کرنے میں اپنی بھرپور طاقت کا مظاہرہ کرے۔

"والخامسۃ" وھی تجمع ھذہ الخصال ان لا یسلمک عند النکبات" اور پانچویں شرط جو ان تمام شرائط اور حدود سے بالاتر ہے وہ یہ کہ مصیبت اور حوادث کے وقت وہ تجھے تباہی اور بربادی کی طرف نہ لے جائے۔

لغوی بحث: (لا یسلمک) اس کا مادہ "سلم" ہے یہاں اس کے معنی تباہی وبربادی کا شکار ہونا ہے ٦ یعنی تجھے مصیبت اور حوادث میں تنہا نہ چھوڑ دے۔

(النکبات) جمع "النکبہ" جیسے "سجدہ" اور "سجدات" اس کے معنی انسان کی زندگی میں پیش آنے والے حوادث وواقعات ہیں۔ ٧

سوالات:

١۔ حضرت علی (ع) کی نظر میں انسانوں کے کتنے گروہ ہیں اور انسان کو ان میں سے ہر گروہ کے ساتھ کس طرح ہم نشین ہونا چاہیے؟

٢۔ حضرت امام محمد باقر (ع) کی روایت میں کہ آپ نے فرمایا: یا صالح! اتبع من یبکیک۔۔۔" صالح کے بارے میں کتنے احتمال پائے جاتے ہیں؟

٣۔ اس حدیث "اتّبع من یبکیک وھو لک ناصح ولا تتّبع من یضحکک وھو لک غاش، وستردون علی اللہ جمیعا فتعلمون" کی مختصر وضاحت کریں

٦۔ مازندرانی: شرح اصول کافی ج ١١، ص ٨٤

٧۔ مجمع البحرین: مادہ "نکب"

۴۔"انظروا من تحادثون" سے کیا مراد ہے؟

۵۔اس عبارت " فانّہ لیس من احد ینزل بہ الموت الّا مثّل لہ اصحابہ الی اللہ ان کانوا خیارا فخیارا وان کانوا شرارا فشرارا" کی وضاحت کریں۔

۶۔رسول خدا (ص) حضرت علی (ع) اور آئمّۃ (ع) کے محتضر کے سرہانے آنے کے بارے میں وضاحت کریں

۷۔ "علیک بالتّلاوۃ" کی وضاحت کیجیے

۸۔ "وایّاک وکلّ محدث لاعھد لہ ولا امان ولا ذمّۃ ولا میثاق" کی وضاحت کریں

۹۔"وکن علی حذر من اوثق النّاس عندک۔اس عبارت میں کتنی صورتیں متصور ہیں

۱۰۔ "احبّ اخوانی من اھدی الیّ عیوبی" کی مختصر وضاحت کریں

۱۱۔حضرت امام جعفر صادق (ع) کی نظر میں دوستی کے شرائط بیان کیجیے

۱۲۔مندرجہ ذیل لغات کی وضاحت کیجیے

"الشین "الحدود "و"النکبات"

مشق

مندرجہ ذیل احادیث کا متن اور سند کے اعتبار سے جائزہ لیں

۱۔عدّۃ من اصحابنا، عن سھل بن زیاد عن جعفر بن محمد الاشعری، عن ابن القدّاح، عن ابی عبداللہ (ع) قال: اذا سلّم احدکم فلیجھر بسلامۃ لا یقول سلّمت فلم یردّوا علیّ ولعلّہ یکون قد سلّم ولم یسمعھم فاذا ردّ احدکم فلیجھر بردّہ ولا یقول المسلم سلّمت فلم یردّوا علیّ، ثمّ قال: کان علیّ (ع) یقول لا تغضبوا افشوا السلام واطیبواالکلام وصلّوا باللّیل والنّاس نیام تدخلوا الجنّۃ بسلام ثمّ تلا (ع) قول اللہ عزّوجلّ (السّلام المؤمن المھیمن)

۲۔محمد بن یحیٰی عن احمد بن محمد بن عیسی ، عن ابن محبوب ، عن عبداللہ بن سنان معن ابی عبداللہ (ع) قال: البادی بالسّلام اولی باللہ وبرسولہ "

۳۔عدّۃ من اصحابنا عن احمد بن محمد بن خالد عن علی بن الحکم ، عن ابان عن الحسن بن المنذر ، قال : سمعت ابا عبداللہ (ع) یقول : من قال : السّلام علیکم فھی عشر حسنات و من قال : السّلام علیکم ورحمۃ اللہ فھی عشرون حسنۃ و من قال السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فھی ثلاثون حسنۃ"

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«بتیسواں سبق»

وہ افراد جن کے ساتھ معاشرت صحیح نہیں ہے

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

وہ افراد جن کے ساتھ معاشرت صحیح نہیں ہے

پہلی حدیث

عدّۃ من اصحابنا، عن سهل بن زیاد و علی بن ابراهیم، عن ابیه جمیعا، عن عمرو بن عثمان، عن محمد بن عذافر، عن بعض اصحابهما، عن محمد بن مسلم و ابی حمزه عن ابی عبدالله عن ابیه(ع) قال: قال لی ابی علی بن الحسین صلوات الله علیهما: یا بنیّ انظر خمسة فلا تصاحبهم و لا تحادثهم ولا ترافقهم فی طریق فقلت: یا ابت من هم عرّفنیهم. قال: ایّاک ومصاحبة الکذاب فانّه بمنزلة السّراب یقرِّب لک البعید ویبعّد لک القریب۔

وایّاک ومصاحبة الفاسق فانّه بائعک باکلة او اقل من ذلک

وایّاک ومصاحبة البخیل فانّه یخذلک فی ماله احوج ما تکون الیه

وایّاک ومصاحبة الاحمق فانّه یرید ان ینفعک فیضرّک

وایّاک ومصاحبة القاطع لرحمه فانّی وجدته ملعونا فی کتاب الله عزّوجل فی ثلاثة مواضع:

قال الله عزّوجلّ: "فهل عسیتم ان تولّیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم، اولئک الذین لعنهم الله فاصمّهم واعمی ابصارهم"۱

وقال عزّوجل: "الذین ینقضون عهدالله من بعد میثاقه ویقطعون ما امر الله به ان یوصل ویفسدون فی الاض اولئک لهم اللعنة ولهم سوء الدّار"۲

۱۔ سورہ محمد آیہ ۲۲، ۲۳

۲۔ سورہ رعد آیہ ۲۵

وقال فی البقرة" الذین ینقضون عھداللہ من بعد میثاقه ویقطعون ما امر اللہ به ان یوصل ویفسدون فی الاض اولئک ھم الخاسرون"۳

اصول کافی ج۲ ص ۶۴۱ ح ۷

شرح: محمد بن مسلم اور ابو حمزہ حضرت امام جعفر صادق (ع) سے اور آپ (ع) اپنے والد گرامی حضرت امام محمد باقر (ع) سے نقل کرتے ہیں کہ میرے پدر بزرگوار حضرت امام علی بن حسین (ع) نے مجھ سے فرمایا: یا بنیّ انظر خمسة فلا تصاحبھم ولا تحادثھم ولا ترافقھم فی طریق "اے میرے بیٹا پانچ گروہ پر نظر رکھو اور ان کی صحبت مت اختیار کرو،ان سے بات مت کرو اور انھیں کے کئیں ان کے ساتھ مت جاؤ

امام محمد باقر (ع) فرماتے ہیں: میں نے عرض کی " یا ابت من ھم عرفنیھم "اے بابا جان! وہ کون لوگ ہیں؟ مجھے ان کے بارے میں بتایئے؟امام علی بن حسین (ع) نے ان پانچ گروہ کو اس طرح پہچنوایا:

۱۔ " ایّاک و مصاحبة الکذاب فانّہ بمنزلة السّراب یقرِّب لک البعید ویبعّد لک القریب " جھوٹے کی صحبت سے بچو؛ کیونکہ اس کی مثال سراب کی سی ہے کہ جو دور کو قریب اور قریب کو دور کرکے دکھاتا ہے

ادبی بحث: "ایّاک" یہ اسم فعل ہے جس کے معنی "احذر" (ہوشیار اور خبردار) کے ہیں۔

لغوی بحث: "السراب" وہ چمک اور روشنائی جو پانی کی طرح صحراء میں دور سے دکھائی دیتی ہے اور دیکھنے والا اسے جاری پانی تصور کرتا ہے۔اور لفظ سراب ایک ایسی چیز کے بارے میں استعمال ہوتا ہے جس کا پانی کی حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے،اور اس کے مدّمقابل لفظ شراب ہے کہ جس کے معنی پینے والی چیز کے ہیں کہ جس کی حقیقت پانی سے وابستہ ہے۔۴

۲۔ " وایّاک ومصاحبة الفاسق فانّہ بائعک باکلة او اقل من ذلک " فاسق کی ہم نشینی سے پرہیز کرو،کہ وہ تجھے ایک لقمے یا اس سے بھی کم قیمت پر بیچ دے گا

ادبی اور لغوی بحث: "الفاسق " مادہ " فسق "کا اسم فاعل ہے جس کے معنی شریعت کی حدود سے تجاوز ہے،اور کثرت سے فاسق اس کے لیے استعمال ہوتا ہے کہ جو پہلے شریعت کے حکم کا پابند تھا اور اس کا اقرار کرتا تھا مگر بعد میں ان سب کا یا ان میں سے بعض کا منکر ہوگیا۔۵

۳۔سورہ بقرہ آیہ ۲۷

۴۔مفرادات راغب اصفھانی: مادہ "سرب"

۵۔مدرک سابق مادہ "فسق"

"اکلۃ" اگراسکے الف پر زبر ہو تو ایک وقت کے ایسے کھانے پر دلالت کرتا ہے جس سے انسان سیر ہو جائے، اور اگر اس پر پیش ہو تو اس کے معنی ایک لقمہ کے ہیں۔٦

٣۔ "وایّاک و مصاحبۃ البخیل فانّہ یخذلک فی مالہ احوج ما تکون الیہ "

بخیل کی صحبت سے بچو! اس لیے کہ جب تجھے مال کی ضرورت ہو گی تو وہ اپنے مال کو تجھے دینے سے پرہیز کریگا (گو یا اپنے مال سے تیری مدد نہیں کریگا)

لغوی بحث: (البخیل) اس کا مادہ "بخل" ہے جس کے معنی ایسے مال کے امساک اور روکنے کے ہیں جس کا حق نہیں کہ اسے روکا جائے۔ یہ جود و کرم کے مدّمقابل ہے، اور "بخیل اسے کہتے ہیں جس میں صفت بخل بہت زیادہ پائی جاتی ہو۔٧

(یخذل) اس کا مادہ خذل ہے جس کے معنی اعانت اور نصرت کے ہیں۔٨

٤۔ " وایّاک و مصاحبۃ الاحمق فانّہ یرید ان ینفعک فیضرّک "احمق شخص کی صحبت اختیار مت کرو کیونکہ وہ تجھے فائدہ پہنچانا چاہیے گا نقصان پہنچادے گا

لغوی بحث: (الاحمق) اس کا مادہ "حمق "ہے جس کے معنی عقل کے فاسد ہونے کے ہیں اور احمق وہ شخص ہوتا ہے کہ جسکا کلام اسکی عقل پر مقدم ہوتا ہے یعنی کلام کرتے وقت سوچتا نہیں ہے کہ اس کا کلام صحیح بھی ہے یا نہیں اور غفلت کی حالت میں بات کرتا ہے۔٩

٥۔ "وایّاک و مصاحبۃ القاطع لرحمہ فانّی وجدتہ ملعونا فی کتاب اللہ عزّوجل فی ثلاثۃ مواضع " خبردار ایسے شخص کی صحبت اختیار مت کرو جو قطع صلہ رحم کرے کہ میں نے اسے قرآن میں تین جگہ ملعون پایا ہے۔

لغوی بحث: (رحم) عورت کی بچہ دانی) یہ لفظ کنایۃ عزیز و اقارب کے لیے استعمال ہوتا ہے کیونکہ یہ سب ایک ہی رحم سے ہیں ١٠

"ملعون" "لعن "کا اسم مفعول ہے جس کے معنی رحمت کے ہیں ١١

٦۔ جوھری، الصحاح مادہ "اکل"

٧۔ مفردات راغب اصفھانی: مادہ "بخل"

٨۔ النھایہ: مادہ "خذل"

٩۔ مجمع البحرین: مادہ: حمق"

١٠۔ مفردات راغب اصفھانی: مادہ "رحم"

١١۔ مجمع البحرین: مادہ: لعن "

اسکے بعد امام (ع) نے ان آیات کا یوں تذکرہ فرمایا جن میں قطع صلہ کرنے والے پر لعنت کی گئ ہے

" قال اللہ عزّوجل : " فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم ، اولئک الذین لعنھم اللہ فاصمّھم واعمی ابصارھم "۱۲ اگر یہ امید ہو کہ خدا کے احکام سے روگردانی کروگے اور قطع صلہ رحم کروگے تو ایسے لوگ وہ ہیں جن کو خدا نے اپنی رحمت سے دور، بہرا، اور نابینا کیا ہوا ہے۔

اہل بیت (ع) کی روایات میں ہے کہ یہ آیت بنی امیّہ کے بارے میں ہے ۱۳ کہ جنھوں نے حکومت ہاتھوں میں لیتے ہی نہ چھوٹوں پر رحم کیا اور نہ بڑوں پر یہاں تک کہ اپنے عزیز واقارب کو بھی خاک وخون میں غلطاں کردیا۔

جی ہاں ! قطع صلہ رحم وہ گناہ ہے جسے زمین پر فساد کے برابر شمار کیا گیا ہے "تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم "

ارشاد ربّالعزت ہے: {وَالَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الأَرْضِ أُوْلَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ} (الرعد/۲۵). اور جو لوگ عہدِ خدا کو توڑ دیتے ہیں اور جن سے تعلقات کا حکم دیا گیا ہے ان سے قطع تعلقات کر لیتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں ان کے لئے لعنت اور بدترین گھر ہے"

اس آیت سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ قطع صلہ رحم گناہان کبیرہ میں سے ہے کیونکہ اسکے لیے عذاب آخرت کا وعدہ کیا گیا ہے، "لھم سوء الدّار"

اور سورہ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے: {الَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الأَرْضِ أُوْلَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ} (البقرة/۲۷).

جو خدا کے ساتھ مضبوط عہد کرنے کے بعد بھی اسے توڑ دیتے ہیں اور جسے خدا نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے کاٹ دیتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقتاً خسارہ والے ہیں"

۱۲۔ سورہ محمد آیہ ۲۳،۲۲

۱۳۔ تفسیر قمی ج۲ ص ۳۸

"ماامر اللہ بہ" کے چند مصداق ہیں اس کے مصادیق میں سے ا یک صلہ رحم ہے اس کا دوسرا مصداق انبیاء اور مؤمنین سے رابطہ ہے بعض روایات میں اس جملے "امر اللہ بہ ان یوصل" کے ذیل میں اس کی تفسیر حضرت امیرالمؤمنین اور اہل بیت (ع) سے رابطہ کو قرار دیا گیا ہے۔۱۴

خلاصہ یہ کہ اس حدیث میں پانچ گروہ سے رابطہ منقطع کرنے کو کہا گیا ہے۔۱۔ کذّاب ۲۔ فاسق ۳۔ بخیل ۴۔احمق ۵۔ قطع صلہ رحم کرنے والا

اور بھی متعدد روایات میں ان افراد سے رابطہ منقطع کرنے کو کہا گیا ہے اور اسکی دوسری مختلف علّتیں بیان کی گئیں ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق (ع) سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: کان امیر المؤمنین (ع) اذا صعد المنبر قال: ینبغی للمسلم ان یتجنّب مواخاۃ ثلاثۃ: الماجن الفاجر والاحمق والکذاب۔

فاما الماجن الفاجر؛ فیزیّن لک فعلہ ویجب انّک مثلہ ولا یعینک علی امر دینک ومعادک، ومقاربتہ جفاء وقسوۃ ومدخلۃ ومخرجہ عار علیک وامّا الاحمق؛ فانّہ لا یشیر علیک بخیر، ولا یرجی لصرف السوء عنک ولو اجھد نفسہ، وربّما اراد منفعک فضرّک، فموتہ خیر من حیاتہ وسکوتہ خیر من نطقہ وبعدہ خیر من قربہ۔

وامّا الکذاب؛ فانّہ لا یھنئک معہ عیش ، ینقل حدیثک وینقل الیک الحدیث کلّما افنی احدوثہ مطرھا باخری مثلھا حتّی انّہ یحدّث بالصدق، فما یصدّق ویفرّق بین النّاس بالعداوۃ فینبت السّخائم فی الصدور؛ فاتّقوا اللہ عزّوجلّ وانظروا لانفسکم "۱۵

جب بھی حضرت علی (ع) زیب منبر ہوتے تو آپ (ع) فرماتے کہ مسلمان کو چاہیے کہ تین گروہ کی رفاقت اور دوستی سے پرہیز کرے۔۱۔ وہ انسان جو لاپرواہ اور بدکار ہو ۲۔ وہ انسان جو احمق ہو ۳۔ وہ انسان جو جھوٹا ہو

۱۴۔ نور الثقلین: ج۱ ص ۴۵

۱۵۔ اصول کافی ج۱ ص ۳۷۶

وہ انسان جو لاپرواہ اور بدکار ہو وہ تیرے لیے اپنے عمل کو خوبصورت کرکے پیش کریگا اور چاہے گا کہ تو بھی اس جیسا ہو جائے وہ دین وآخرت کے بارے میں تیرا مددگار ثابت نہیں ہو سکتا، اس سے قریب ہونا ظلم و ستم اور سنگدلی ہے اور اس سے آمد و رفت تیرے لیے ذلت کا باعث ہے۔

احمق انسان ہر گز نیک کام کی طرف رہنمائی نہیں کریگا اور تجھ سے برائی کے دور کیے جانے کی اس سے کوئی امید نہیں ہے چاہے وہ کتنی کوشش کرے۔ بلکہ ممکن ہے کہ وہ تجھے فائدہ پہنچانا چاہے نقصان پہنچادے، پس اسکی موت اسکی زندگی اور اس کا خاموش رہنا اسکے بات کرنے سے بہتر ہے، تیری بات کو دوسرے کے لیے اور دوسرے کی بات کو تیرے لیے نقل کرتا ہے۔ ایک من گھڑت قصہ کو جب ختم کرتا ہے تو دوسرا من گھڑت قصہ شروع کر دیتا ہے، یہاں تک کہ اگر وہ کوئی صحیح بات بھی کرے تو اسکی تصدیق نہیں کی جاسکتی، دشمنی اور عداوت سے لوگوں کے درمیان جدائی ڈال دیتا ہے اور ان کے دلوں میں کینہ و کدورت کا بیج بوتا ہے پس ایسے میں تقوی الٰہی اختیار کرو اور اپنی خیال رکھو۔

دوسری حدیث:

وفی روایة عبد الاعلی ،عن عبدالله (ع) قال: امیر المؤمنین (ع) لا ینبغی للمرء المسلم ان یواخی الفاجر ،فانه یزیّن له فعله ویحب ان یکون مثله ولا یعینه علی امر دنیاه ولا امر معاده ومدخله الیه ومخرجه من عنده شین علیه۔

اصول کافی ج ۲ ص ۶۴۰ ح ۲

لغوی بحث: (فاجر): "یہ مادہ "فجور" سے ہے جس کے معنی دیانت کے پردہ کو چاک کرنا ہے۔" فاجر "اسم فاعل کا صیغہ جس کے معنی بدکار اور برے شخص کے ہیں۔۱۶

شرح: مذکورہ روایت کو جسے عبدالاعلی نے حضرت امام جعفر صادق (ع) سے نقل کیا ہے، آپ (ع) فرماتے ہیں کہ حضرت علی (ع) نے فرمایا: ایک مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ایک بدکار شخص کے ساتھ نشست و برخاست کرے، کیونکہ وہ ظاہری طور پر اپنے آپ کو آراستہ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اسکا دوست بھی اس جیسا ہو جائے یہ شخص دنیا و آخرت کے کاموں میں کسی قسم کا مددگار ثابت نہیں ہو سکتا ایک مسلمان کے لیے اسکے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ذلّت کا باعث ہے۔

۱۶۔ مفردات راغب اصفہانی: مادہ "فجور"

مطالعات قرآنی

حدیث فہمی کے قواعد واسالیب

«تینتیسواں سبق»

وہ افراد جن کے ساتھ معاشرت صحیح نہیں ہے

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

تیسری حدیث:

عدّة من اصحابنا عن سهل بن زیاد عن علی بن اسباط عن بعض اصحابه عن ابی الحسن (ع) قال عیسی ابن مریم (ع) انّ صاحب الشّر یعدی وقرین السّوءیردی فانظر من تقارن

اصول کافی ج ۲ ص ۶۴۰ ح ۴

شرح : اس حدیث میں حضرت امام موسی کاظم (ع) نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسی بنت مریم (ع) نے فرمایا: " انّ صاحب الشّر یعدی وقرین السّوءیردی فانظر من تقارن "بدکار کی صحبت ظلم وستم اور ہلاکت کا پیش خیمہ ہے لہٰذا ہمنشین ہونے سے پہلے دقّت کروکے کس کے ساتھ ہمنشین ہو رہے ہو۔

لغوی بحث: (یعدی) اس کا مادہ "عدّو" ہے جس کے معنی دوسروں کے حقوق پر تجاوز ہے ا

(یردی) "اس کا مادہ "ردی" ہے جس کے معنی ہلاکت کے ہیں۔

چوتھی حدیث:

محمد بن یحیی عن احمد بن محمد و محمد بن الحسین عن محمد بن سنان ،عن عمّار بن موسی قال : قال ابو عبدالله (ع) ان کنت تحب ان تستتب لک النّعمة وتکمل لک المروءة وتصلح لک المعیشة فلا تشارک العبید والسفله فی امرک ؛فانّک ان ائتمنتهم خانوک وان حدّثوک کذبوک وان نکبت خذلوک وان وعدوک اخلفوک"

اصول کافی ج ۲ ص ۶۴۰ ح ۵

شرح: اس حدیث میں حضرت امام جعفر صادق (ع) نے عمّار بن موسی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: یا عمّار) ان کنت تحب ان تستتب لک النّعمة وتکمل لک المروءة وتصلح لک المعیشة فلا تشارک العبید والسفلہ فی امرک؛ فانّک ان ائتمنتھم خانوک وان حدّثوک کذبوک وان نکبت خذلوک وان وعدوک اخلفوک "اے عمّار اگر یہ چاہتے ہو کہ تم پر نعمت پایدار رہے،اور تمہاری مردانگی کامل ہو جائے اور شائستہ زندگی گزارو توغلاموں اور پست لوگوں کو اپنے کام میں شریک مت کرنا کیونکہ اگر تم ان کے پاس امانت رکھو

ا۔ رجوع فرمائیں: التحقیق فی کلمات القرآن الکریم مادہ "عدو"

گے تو وہ اس میں خیانت کرینگے ، اگر تم سے کوئی بات کریں گے تو جھوٹ کہیں گے ، اگر تم کسی مشکل میں گرفتار ہو جاؤ گے تو تمھیں تنہا چھوڑ دینگے ، اگر تم سے کوئی وعدہ کرینگے تو اسے پورا نہیں کرینگے ۔

لغوی بحث : (تستتب) "اس کا مادہ "تب" ہے جس کے معنی استقامت اور پایداری کے ہیں ۔ ۲

(المروءۃ) کے معنی کمال مردانگی کے ہیں ۔ ۳

(العبید) "عبد" کا صیغہ جمع ہے ، جس کے معنی غلام کے ہیں ۔ اور اگر "عبد" کے معنی بندگی کے ہوں تو اسکی جمع "عباد" ہے ۔ ۴

(السفلہ) "اس کا مادہ "سفل" ہے جس کے معنی پست افراد کے ہیں ۵

(نکبت) اس کا مادہ "نکب" ہے جس کے معنی مائل ہونا اور صحیح راہ سے منحرف ہونا ہے ۶

اس حدیث میں غلام اور معاشرہ کے پست افراد سے دوری کے تین فائدوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے

۱۔ انسان پر نعمت پایدار ہو جائیگی

۲۔ انسان کی مردانگی کامل ہو جائیگی

۳۔ انسان کی زندگی میں شائستگی پائی جائے گی

لیکن اگر انسان ان افراد کو اپنے امور زندگی میں اپنا شریک بنائے تو پھر اسکے چار منفی اور برے اثر اسکی زندگی پر مرتّب ہونگے ۔

۱۔ امانت حوالے کرنے کی صورت میں اس میں خیانت کرینگے

۲۔ بات کرتے وقت جھوٹ بولینگے

۳۔ اگر انسان اپنے طبیعی راستہ سے منحرف ہو جائے تو بجائے اسکے کہ اس کی صحیح راستہ کی طرف راہنمائی کریں اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں تاکہ ذلیل وخوار ہو

۴۔ اور اگر کوئی وعدہ کرتے ہیں تو اسے وفا کرنے کے بجائے اسے پورا نہیں کرتے

---

۲ ۔ مجمع البحرین : مادہ : تب"

۳ ۔ العین : مادہ "مرء "

۴ ۔ مفرادات راغب اصفھانی : مادہ "عبد"

۵ ۔ مجمع البحرین : مادہ : سفل "

۶ ۔ رجال نجاشی : ص ۱۸۵

پانچویں حدیث:

عدّة من اصحابنا عن احمد بن محمّد عن موسی بن القاسم قال: سمعت المحاربیّ یروی عن عبد الله (ع) عن ابائه (ع) قال: قال رسول الله (ع) ثلاثة مجالستهم تمیت القلب: الجلوس مع الانذال والحدیث مع النساء والجلوس مع الاغنیاء" اصول کافی ج ۲ ص ۶۴۱ ح ۸

شرح: اس حدیث کو حضرت امام جعفر صادق (ع) نے اپنے آباؤاجداد کے ذریعہ رسول خدا (ص) سے نقل فرمایا ہے کہ آپ (ص) نے تین قسم کے لوگوں کے ساتھ گفتگو اور بات کرنے کو دل کے مردہ ہونے کا سبب جانا ہے آپ (ص) فرماتے ہیں "ثلاثة مجالستھم تمیت القلوب" تین قسم کے لوگوں کے ساتھ نشست وبرخاست دل کو مردہ کردیتی ہے، یعنی انسان کو آخرت سے غافل کردیتی ہے اور شہوت اور دنیاوی لذت کی ترغیب دیتی ہے

یہ تین گروہ مندرجہ ذیل ہیں

۱۔ "الجلوس مع الانذال" پست لوگوں کے ساتھ نشست وبرخاست

لغوی بحث: "انذال" اس کا مادہ "نذلہ" "ونذول" ہے اور اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو تمام حالات میں پست اور حقیر سمجھا جاتا ہے۔ ۷

۲۔ "والحدیث مع النساء" خواتین سے محو گفتگو رہنا۔

یہاں بات کرنے سے مراد یعنی حدود شرعی کا خیال رکھے بغیر ہوی وہوس کے تحت بات کرنا ہے ورنہ محرم خواتین جیسے ماں، بہن، اور بیوی وغیرہ سے بات کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ممکن ہے کہ بعض اوقات ضروری ہو اور ان سے رابطہ منقطع کرنے کی کوئی خاص علّت دکھائی نہیں دیتی اور بعض موارد میں ان سے رابطہ نہ رکھنا قطع رحم کے زمرہ میں آتا ہے جو گناہ ہے۔

۳۔ والجلوس مع الاغنیاء "مالدار لوگوں کے ساتھ نشست وبرخاست

یہاں بھی اس سے مراد یہ نہیں کہ ہر غنی اور مالدار کے ساتھ نشست وبرخاست دل کے مردہ ہونے کا باعث ہے، بلکہ اس سے مراد وہ سرمایہ دار افراد ہیں جو دنیا اور مادیّت میں غرق ہوں اور دین، دیانت اور وظائف شرعی سے منہ موڑ کر دنیاوی مال کے حصول کے لیے ہر شرعی اور غیر شرعی وسیہ سے استفادہ کرتے ہیں۔

۷۔ مجمع البحرین: مادہ: نذل"

چھٹی حدیث:

ابوعلی الاشعری ، عن محمد بن عبد الجبّار ،عن ابن ابی نجران ،عن عمر بن یزید ،عن ابی عبداللہ (ع) انّه قال لا تصحبوا اھل البدع ولا تجالسوھم فتصیروا عندالنّاس کواحد منھم ؛قال رسول اللہ (ص) المرء علی دین خلیله وقرینه۔ اصول کافی ج ۲ ص ۶۴۲ ح ۱۰

لغوی بحث: "لاتصحبوا" یہ مادہ "صحب" کا فعل نہی ہے،جس کے معنی ہمراہ اور ہمیشہ ساتھ رہنے کے ہیں۔[8] "لاتجالسوا" اس کا مادہ "جلس" ہے جس کے معنی سخت اور مرتفع زمین کے ہیں۔اور کیونکہ بیٹھنے کے لیے مرتفع زمین کا انتخاب کیا جاتا ہے اس لیے اسے 'جلوس" سے تعبیر کیا گیا ہے[9] پھر بعد میں ہر قسم کے بیٹھنے پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔یہاں پر ان دو الفاظ کا استعمال ایک دوسرے کی تاکید کے لیے ہوا ہے۔

شرح:اس حدیث میں حضرت امام جعفر صادق (ع) اہل بدعت کے ساتھ نشست وبرخاست کی ممانعت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "لاتصحبوا اھل البدع ولاتجالسوھم "اہل بدعت کی صحبت اختیار نہ کرو اور انکے ساتھ نشست وبرخاست مت کرو۔" فتصیروا عندالنّاس کواحد منھم" کیونکہ تم لوگوں کے نزدیک ان میں سے ایک شمار ہوگے،اس کے بعد امام (ع) رسول خدا (ص) کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے یں: قال رسول اللہ (ص) المرء علی دین خلیله وقرینه۔رسول خدا (ص) نے فرمایا:انسان اپنے دوست اور ساتھ اٹھنے اور بیٹھنے والے کے دین پر ہوتا ہے

سوالات

۱۔ان پانچ گروہ کے نام بتایئے جن کی صحبت سے حضرت امام سیّد سجّاد نے منع کیا ہے؟

۲۔اس عبارت "ایّاک ومصاحبة الکذاب فانّه بمنزلة السّراب یقرّب لک البعید ویبعّد لک القریب" کی وضاحت کیجیے ۳۔ اس عبارت وایّاک ومصاحبة الفاسق فانّه بائعک باکلة او اقل من ذلک" کی وضاحت کیجیے اور "اکلة "میں پائے جانے والے دواحتمال کو بیان کریں۔

---

۸ ۔ مفرادات راغب اصفھانی: مادہ "صحب"

۹ ۔ مفرادات راغب اصفھانی: مادہ "جلس"

۴۔اس عبارت " وایّاک ومصاحبۃالبخیل فانّہ یخذ لک فی مالہ احوج ما تکون الیہ " کی وضاحت کیجیے۔

۵۔ اس عبارت " وایّاک ومصاحبۃالاحمق فانّہ یرید ان ینفعک فیضرّک " کی وضاحت کیجیے۔

٦۔ "الاحمق " رحم " اور لفظ ملعون کی وضاحت کیجیے

۷۔اس عبارت "لاینبغی للمرء المسلم ان یواخی الفاجر۔۔۔۔" سے کیا مراد ہے؟

۸۔ اس حدیث " " انّ صاحب الشّر یعدی وقرین السّوء یردی فانظر من تقارن"میں بیان کیے گئے الفاظ "یعدی"اور "یردی"کے لغوی معنی بیان کرنے کے بعد انکا دقیق ترجمہ کیجیے۔

۹۔ "تستنتب" "المروءۃ" "العبید"اور "السفلۃ" کی وضاحت کریں؟

۱۰۔غلاموں اور پست فطرت انسانوں سے دوری کے فوائد بیان کریں

۱۱۔ غلاموں اور پست فطرت انسانوں کو اپنے کاموں میں شریک کرنے کے برے اور منفی آثار پر روشنی ڈالیں

۱۲۔رسول خدا (ص) کی حدیث کے مطابق کن افراد کی صحبت دل کے مردہ ہونے کا سبب ہے

۱۳۔خواتین سے گفتگو اور سرمایہ دار افراد کی ہم نشینی کس صورت میں انسان کے دل کے مردہ ہونے کا سبب ہے؟

۱۴۔اس عبارت "لا تصحبوا اھل البدع ولا تجالسوھم "کے الفاظ کی وضاحت کیجیے اور اس کے بعد دقت سے اس کا ترجمہ کیجیے

مشق:

مندرجہ احادیث کا سند اور متن کے اعتبار سے جائزہ لیں

۱۔احمد بن محمد عن ابن محبوب ، عن جمیل عن ابی عبیدہ الحذاء عن ابی جعفر (ع) قال : مرّ امیر المؤمنین علی (ع) بقوم فسلم علیھم فقالوا : علیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرۃ ورضوانہ ،فقال لھم امیر المؤمنین (ع) لا تجاوزوا بنا مثل ما قالت الملائکۃ لابینا ابراھیم (ع) انّما رحمت اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت "

۲۔ محمد بن یحییٰ عن احمد بن محمد عن ابن محبوب عن علی بن رئاب عن ابی عبداللہ (ع) قال : انّ من تمام التحیّۃ للمقیم المصافحۃ وتمام التسلیم علی المسافر المعانقۃ۔

۳۔ علی بن ابراھیم عن ابیہ عن النوفلی عن السّکونی ، عن ابی عبداللہ (ع) قال ، قال امیر المؤمنین (ع) یکرہ للرجل ان یقول حیّاک اللہ ثمّ یسکت حتّی یتّبعھا بالسلام۔